The Late Maulvi Sultan Muhammad Khan Paul

To view the Arabic text, you will need to have the Traditional Arabic font on your computer.

قرآنی آیات کو بہتر طور پر دیکھنے کے لئے آپ کو عربیک ٹریڈیشنل فونٹ کو ڈاؤن لوڈ کرنا ضروری ہوگا۔

شیرِ افگن

بسم الله الرحمن الرحيم

قول المسیح

اے تم جو تھکے اور بڑے بوجھ سے دبے ہوئے ہو میرے پاس آؤ
میں تم کو آرام دونگا

Sher Afgan

Destroyer of the Lion

A reply to Maulvi Sana Ullah of Amritsar (known as Sher-i-Punjab) who had criticized the author's *Why I Became a Christian*; it confirms and supplement the latter again contending that

There is no Salvation in Islam

By

The Late Maulvi Sultan Muhammad Khan Paul

شیرِ افگن

مصنفه

جناب پادری مولوی سلطان محمد پال خان صاحب

(فاضل عربی)

1930

Urdu

July.20.2005
www.muhammadanism.org

شیرِافگن

فصل اوّل

مولوی ثناء اللہ صاحب اوراسلام میں نجات

چل میرے خامہ بسم اللہ

قبل اس کے کہ میں اس امرکو ظاہر کردوں کہ مولوی ثناء اللہ صاحب اسلام میں نجات ثابت کرنے سے کس طرح قاصر اورعاجز رہ گئے یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین رسالہ سے آپ کا تعارف کرایا جائے تاکہ اس امر کی صداقت کہ اسلام میں مطلق نجات نہیں ہے آپ کی شکست سے کامل طورپریقین ہوجائے۔

آپ کا اسم گرامی ثناء اللہ ہے۔ جس بقول مصنف نشانات مرزا بجواب الہامات مرزا" لوگ کسی قدر تغیر وتبدل کے ساتھ مختلف طورپر لیکن ایک ہی وزن پر ادا کرتے ہیں علمیت کے لحاظ سے آپ مولوی فاضل ہیں اوراہلِ حدیث کے ایڈیٹر اورمالک ۔ بحث ومباحثہ میں آپ کا فی شہرت کے علاوہ کا فی ثروت بھی حاصل کرچکے ہیں اورنظر بدوربا وجود پیرانہ سالی کے اب تک آپ جوانی کی دُھن میں خضاب استعمال کرتے ہیں اورپیر چودہ سالہ بنے پھرتے ہیں۔ نہ معلوم آپ کو اس سے کیونکر تسلی ملتی ہے۔ اوردوسروں کو کیونکر اعتبار ہوتا ہے۔ تاہم آپ کو اس سے ایک گونہ دلچسپی ضرورہے۔ آپ کے احباب نے آپ کو فاتح قادیان اورشیر پنجاب کا خانہ سازیا خانہ برانداز خطاب بھی دیدیاہے۔ لیکن نشانات مرزا بجواب الہامات مرآ میں آپ کو چند اورنہایت درخشاں خطابوں کا بھی ذکر ہے جن کو ہم اس مضمون کے آخری حصہ میں ہدیہ ناظرین کرینگے۔

آپ اصلاً کشمیری ہیں لیکن امرتسر سے آپ کو خاص اُنس ہے۔ اسلئے آپ امرترس میں مقیم ہیں۔ اصلاًآپ مسلمانوں کو اُس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جس کووہابی، نجدی اورغیر مقلد کہتے ہیں غیر مقلد کس کو کہتے ہیں ۔ اس بارہ میں ہم ایک مسلمان کی تصنیف سے ایک اقتباس ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

" فرقہ غیر مقلد ہمیشہ سے بے ادبی ، گالیوں اور ناشائستہ الفاظ کا مشاق ہے۔ ابتدائی غیرمقلدوں میں سے بعض مرُدودوں نے انبیاء اولیا اور بزرگان دین کو رہبانوں اور بُتوں سے تشبیہ دی ہے۔ جب انبیاء اوربزرگانِ دین ان شیاطین کی زبان درازی سے نہیں بچے تو

ہم کیا رنج کرسکتے ہیں" (نشانات مرزا بجواب الہامات مرزا صفحہ ۱۴)۔

شائد یہی وجہ ہے کہ میرے رسالہ کا جواب لکھتے لکھتے آپ اس خصوصی امتیاز کے اظہار پر محیور ہوگئے۔ اورایک اور وہابی کے ساتھ مل کر وہ زہر اگلا[1] ہے جس سے ہم بھی یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہوگئے کہ ع ایں خانہ ہمہ آفتاب است۔

اس قدر مختصر تعارف کرانے کے بعد اب میں اصل مضمون کی طرف متوجہ ہوتا ہوں گذشتہ ۳ ستمبر ۱۹۲۸ء میں حافظہ آباد میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان ایک فیصلہ کنُ مباحثہ ہوا۔ جس کا مفصل اورپوست کندہ بیان۔ رسالہ " مباحثہ حافظہ آباد" میں چھپ چکا ہے (جو مسٹر موسیٰ خان مہاں سنگھ باغ لاہور سے نہایت کم قیمت پر مل سکتا ہے) اسی مباحثہ میں ایک واقعہ کے دوران میں نے مولوی صاحب سے یہ کہا تھا کہ آپ میں اگرکچھ غیرت اور حمیت باقی ہے تو آپ میرے رسالہ کا جواب لکھیں۔ اگر آپ اس کا ایسا معقول جواب دیں جس کا جواب الجواب میں نہ دے سکوں تو مسلمان ہوجاؤنگا جس کا صاف مطلب یہ تھاکہ مجھ کو کامل یقین ہے کہ نہ تواسلام میں نجات ہے اورنہ آپ اس کا جواب لکھ سکینگے ۔ چنانچہ جب آپ امرتسر پہنچ گئے تو میرے رسالہ مذکورہ کا بزعم خود جواب لکھنا شروع کیا۔ چنانچہ وہی ہوا جو ہم کہہ چکے تھے یعنی مولوی صاحب نے نہ صرف تسلیم کیاکہ اسلام میں نجات نہیں ہے۔ بلکہ اپنی علمیت پر بھی ایک بڑا داغ لگایا ہے۔ خیر جو کچھ آپ نے لکھا ہے ہم اس کو اپنے مختصر ریمارک کے ساتھ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں اورجب یہ مضمون مکمل ہوجائے تو بغرض تصفیہ ہم اس کو اہلِ حدیث کے دائل کے ساتھ پنڈت رام چندر دہلوی کے پاس بھیج دینگے۔ کیونکہ ہم دونوں کے نزدیک آپ منصف مقرر ہوچکے ہیں۔

لیکن پہلے اس سے کہ میں مولوی صاحب کے جواب کی تردید لکھوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ میں اپنے رسالہ مذکورہ کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کروں تاکہ اس بحث کے سمجھنے میں کوئی دقت باقی نہ رہے۔ میرے رسالہ مذکورہ کا خلاصہ حسب ذیل ہے ۔

(۱۔) قرآن شریف کے رو سے نجات اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔

[1] اس کا جواب اسی رسالہ کے تمہ میں دیکھو (منہ)

(۲۔) ومن یعمل مثقال ذرتہٍ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرتہٍ سراً رہ کے روسے کوئی فرد بشر اعمال صالحہ سے نجات حاصل نہیں کرسکتا ہے۔

(۳۔) تمام بنی آدم گنہگار ہیں۔

(۴۔) احادیث صحیحہ کے رو سے اعمال صالحہ کوئی چیز نہیں ہے۔ حتیٰ کہ خود آنحضرت کو ان کے اعمال نجات نہیں دلا سکتے ہیں۔

(۵۔) احادیث کے رو سے نجات صرف خدا کے رحم سے حاصل ہوسکتی ہے لیکن رحم بلامبادلہ کوئی چیز نہیں ہے۔

اب مولوی صاحب کی گل افشانی ملاحظہ ہو۔

فصل دوم

مولوی ثناء اللہ صاحب بھی نجات بالاعمال نہیں مانتے

ناظرین آپ یہ دیکھ کر نہایت خوش ہونگے کہ مولوی ثناء اللہ صاحب نے نہایت دیانتداری کے ساتھ مگر غیر متوقع طورپر میرے رسالہ کے شق اول اور دوم، سوم اور چہارم، پنجم کو یعنی میرے رسالہ کے تمام دلائل کو بلاکم وکاست تسلیم کیا ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کا ہمارے رسالہ کے آگے سربسجود ہونا

چنانچہ آپ اُن احادیث کے جواب میں جن سے ہم نے یہ استدلال کیا تھا کہ کوئی فرد بشر اپنے اعمال کے ذریعہ نجات حاصل نہیں کرسکتا ہے۔بلکہ خود آنحضرت کو بھی ان کے اعمال نجات نہیں دے سکتے ہیں۔ رقم فرماتے ہیں کہ :

" اصل حقیقت یہ ہے کہ انسان کا خدا سے جو رشتہ ہے وہ تقضی ہے کہ انسان دم بھر خدا کی یاد سے غافل نہ ہو شیخ سعدی مرحوم نے گلستان کے شروع سی میں اس راز کو لکھا ہے کہ" برہر نفسے دونعمت دیر ہر نعمت شکر واجب" اس لحاظ سے انسان کے اعمال شرعیہ بھی اس کی نجات کے لئے کافی نہیں ہوسکتے۔ کیونکہ ان

میں بھی بہت سا وقفہ مل سکتا ہے کہ انسان اپنے سانس اورکاموں میں خرچ کرے اور شکرواجب سے غافل ہوجائے یہ عارفانہ نکتہ سمجھانے کو حضور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حدیث فرمائی ہے (صدق اللہ ومرسولہ)

بے شک اعمال شرعیہ اتنی حیثیت نہیں رکھتے کہ دنیاوی نعماء کا شکر ادا ہونے کے بعد نجات اخروی کے لئے بھی علت ہوسکیں۔ ہاں محض اس کا فضل ہی فضل ہے کہ چند لمحوں کی اطاعت کو دائمی راحت، (نجات) کا موجب بنادیا۔یہ تشریح ہے حدیث مذکورکی۔ کیا وجہ ہے کہ پہلے تو اعمال کے موجب نجات ہونے سے انکارکیا۔ پیچھے اعمال کی تاکید فرمائی ۔ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم بتاآئے ہیں کہ اعمال ذاتی حیثیت سے ہرگز موجب نجات نہیں ۔مگر بیکاربھی نہیں"(اہلحدیث امرتسر مطبوعہ ۹ نومبر ۱۹۲۹ءصفحہ ۳)۔

شکر اللہ کہ میاں من داد صلح فتاد کہو عیسیٰ مسیح کی جے

قرآن مجید نے کیا ہی خوب کہا ہے کہ" جاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروالی یوم القیامتہ"۔

یعنی " اے عیسیٰ میں تیرے پیروؤں کو قیامت کے دن تک ان لوگوں پر جو تجھ سے انکارکرتے ہیں غالب رکھونگا"۔ فالحمد للہ علی ذالك۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں نے گذشتہ اوراق میں اپنے رسالہ کا (میں مسیحی کیوں ہوگیا) خلاصہ ازقراء ذیل لکھا تھاکہ

(۱۔) قرآن شریف کے رُو سے نجات اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔

(۲۔) ومن یعمل مثقال ورتہ خیراً یرہ من یعمل مثقال درتہً شراً یرہ کے روسے کوئی فرد بشر اعمال صالحہ سے نجات حاصل نہیں کرسکتا ہے۔

(۳۔) تمام بنی آدم گنہگارہیں۔

(۴۔) احادیث صحیحہ کے رو سے اعمال صالحہ کوئی چیز نہیں ہے۔ حتی کہ خود آنحضرت کو ان کے اعمال نجات نہیں دلا سکتے ہیں۔

(۵۔) احادیث کے رو سے نجات صرف خدا کے رحم سے حاصل ہوسکتی ہے لیکن رحم بلامبادلہ کوئی چیزنہیں ہے۔

ان تمام شقوں کو تو مولوی صاحب نے اپنی عبارت بالا میں تقسیم کرلیا۔ البتہ شق سوم کے متعلق آپ نے ایک حرف بھی نہیں لکھا ہے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ کو یہ بھی تسلیم ہے کہ تمام انبیاء اور باقی تمام انسان گنہگار ہیں۔ لہذا اب ہم میں اور مولوی صاحب میں کوئی اصولی اختلاف نہیں رہا۔ صرف آپ کو ان دوآئتوں کی تفسیر کرنے میں ہم سے کسی قدر اختلاف ہے۔ جن کو ہم نے اپنے رسالہ میں لکھا تھا۔ وہ دوآئتیں یہ ہیں۔

(۱)وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا(سورہ مریم آیت ۷۱،۷۲)

(۲۔)وَلَوْ شَاء رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلاَ يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلاَّ مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لأَمْلأَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ

(میں کیوں مسیحی ہوگیا صفحہ ۳۱، ۳۳)۔

ان دوآیتوں کی بابت ہم اگلے صفحوں میں عرض کرینگے۔

فصل سوم

مولوی ثناء اللہ صاحب کی قرآن فہمی وحدیث دانی

آیت نمبر اول یعنی وَإِن مِّنكُمْ إِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلَى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا(سورہ ریم آیت ۷۲، ۷۳)(میں مسیحی کیوں ہوگیا صفحہ ۳۱) کے متعلق آپ لکھتے ہیں کہ۔

"آیت موصوفہ میں صرف ایک لفظ تحقیق طلب ہے" یعنی وارد یہ لفظ اسی صورت (اسم فاعل) میں سورہ یوسف میں آیا ہے۔ وَجَاءتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُواْ وَارِدَهُمْ فَأَدْلَى دَلْوَهُ (سورہ یوسف آیت ۱۹) یعنی جب مسافروں کا قافلہ آیا تو انہوں نے اپنا وارد بھیجا(تاکہ پانی لائے) اس نے اپنا ڈول کنوئیں میں ڈالا"۔

یہی لفظ سورہ قصص کی آیت ۲۸ میں بصفہ ماضی آیا ہے ۔ غور سے سنئے۔

وَلَمَّا وَرَدَ مَاء مَدْيَنَ وَجَدَ عَلَيْهِ أُمَّةً مِّنَ النَّاسِ يَسْقُونَ" یعنی حضرت موسیٰ مدین کے پانی کے پاس آئے تو وہاں دیکھا کہ ایک قوم پانی پلاتی ہے"۔

ان دونوں موقعوں پر اس لفظ سے پانی کے اندر گھسنا مراد نہیں۔ ورنہ اس کے بعد ادلےٰ دلوہ اور وجد امد صحیح نہ ہوگا۔ پس وارد کے معنی ہیں پانی کے پہنچنے والا۔ ان دوشہادتوں سے آیت زیر بحث کے معنی یہ ہوئے کہ ہر ایک ابن آدم نیک ہو یا بد جہنم کے پاس سے گذریگا۔ جس کی بابت حدیثوں میں اوپر کا لفظ آیا ہے نہ کہ اندر۔ پھر وہ اپنے اپنے اعمال کے موافق جہنم سے دوڑیتے جائینگے اور ظالم بد کردار جو جہنم ہی کے لائق ہونگے جہنم میں چھوڑ دیئے جائینگے" (اہل حدیث مطبوعہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲)۔

پھر آپ لکھتے ہیں کہ:

" مختصر یہ کہ لفظ وارد کے معنی سمجھنے میں آپ کو غلطی ہوئی ہے۔ ہم اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ پاس پہنچنے والا پاس سے گذرنے والا ۔ آپ کرتے ہیں آگ میں داخل ہونے والا ہمارے ترجمہ کی شہادت خود قرآن دیتا ہے آپ کی نہیں" (اہل حدیث مطبوعہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲)

میں تو اس پیرجواں نماں یا جان بوجھ کر انجان بننے والے کی قرآن فہمی کا قائل اس وقت ہوچکا تھا جبکہ آپ نے قرآن شریف کی اس آیت کی بنا پر ولا تنحکو اما نکح آبا لکم یہ فتوے دیا تھا" کہ دادی سے پوتے کا نکاح جائز ہے"۔ اورپھر ایک حیدرآبادی وہابی کے سمجھانے پر رجوع کرلیا" (الفقیہ امرتسر ۲۱ مئی ۱۹۲۶ء صفحہ ۸) ہمیں کامل امید ہے کہ اگرہمارے سمجھانے پر نہیں تو کسی اور وہابی کے سمجھانے پر آپ پھر اپنے اس قول سے رجوع کرینگے کہ وارد کے معنی " پاس پہنچنے والا ۔ پاس سے گذرنے والا کے ہیں ۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں کہ ہم اس کا ترجمہ کرتے ہیں ۔ پاس پہنچنے والا پاس سے گذرنے والا"۔ آپ کرتے ہیں داخل ہونے والا ۔ ہمارے ترجمہ کی شہادت خود قرآن دیتا ہے۔ آپ کی نہیں"۔ (اہل حدیث ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲) جس کا صاف مطلب یہ ہے ۔ کہ اگر ہم بھی قرآن شریف سے " شہادت پیش کریں تو آپ بلا چون وچرا ہمارے ترجمہ کو تسلیم کرینگے ۔ لہذا ہم قرآن شریف سے چند ایسی آئیتیں پیش کرینگے جن میں یہ لفظ زیر بحث دخول کے معنی میں آیا ہے اورایسی واضح صورت میں کہ اگر تمام دنیا کے نجدی یا وہابی اکٹھے ہوں تب بھی دوسرے معنہ نہ کرسکیں اوراس کے بعد ہم اپنی تائید کے لئے اشعار عرب سے بھی چند شواہد پیش کرینگے کہ اس فاضل وہابی کو کم ازکم قرآن شریف کی کسی آیت کے تضیہ کرنے کا ڈھنگ تو معلوم ہوجائے ۔ وہ آئیتیں یہ ہیں۔

قرآن کی شہادت کہ آیت زیر بحث میں " وارد" کے معنی داخل کے ہیں

(۱۔)إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا وَارِدُونَ(سورہ النبیاء آیت ۹۸،۹۹)

ترجمہ: تحقیق تم اورجو کچھ تم پوجتے ہو اللہ کے سوائے ایندھن ہو دوزخ کے اورتم کواس میں داخل ہونا ہے"۔

(۲۔)لَوْ كَانَ هَؤُلَاء آلِهَةً مَّا وَرَدُوهَا وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ(سورہ النبیاء آیت ۱۰۰)

ترجمہ:" اگریہ لوگ خدا ہوتے تو دوزخ میں داخل نہ ہوتے اوریہ سب دوزخ میں ہمیشہ تک رہینگے"۔

(۳۔) یقدم قومہ یوم القیمتہ فاور دھمہ النار وبئس الور د المورود (سورہ ہود آیت ۱۰)۔

ترجمہ: قیامت کے دن (فرعون) اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اورداخل کرے گا (اپنی قوم کو) دوزخ میں اوردوزخ داخل ہونے کی بُری جگہ ہے"۔

(۴۔)يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِينَ إِلَى الرَّحْمَنِ وَفْدًا وَنَسُوقُ الْمُجْرِمِينَ إِلَى جَهَنَّمَ وِرْدًا (سورہ رمریم آیت ۸۹)۔

ترجمہ:" جس دن ہم اکٹھا کرینگے پرہیزگاروں رحمٰن خدا کے پاس مہمانی کے لئے اورہانک لے جائینگے گنہگاروں کو دوزخ کی طرف داخل ہونے کے لئے"۔

ان قرآنی شواہد کے دیکھنے کے بعد اگراس فاضل وہابی کے دل میں کچھ بھی قرآن شریف کی عزت باقی ہے توضروراپنی اس رائے فاسد سے " ہم اس کا ترجمہ کرتےہیں پاس پہنچنے والا ۔ پاس سے گذرنے والا"۔ اسی طرح رجوع کرے گا جس طرح اپنے اس فتویٰ سے رجوع کیاکہ" دادی سے پوتے کا نکاح جائز ہے" ۔ آپ کی لکھی ہوئی تفسیر بھی اس قسم کی لغویات سے بھری ہوئی ہے ۔ جن کی بناء پر آپ پرکفر کا فتویٰ لگ چکا ہے۔ لیکن سنتے ہیں کہ ابن مسعود کے سمجھانے پرآپ نے اس قسم کے قابل اعتراض مقامات کو اپنی تفسیر سے خارج کردیا ہے بعبارت دیگراُن سے رجوع کیا ہے۔

اشعارعرب کی شہادت کہ " وارد" بہ معنی داخل ہے

ہم نے وعدہ کیا تھاکہ قرآن شریف کے شواہد کے علاوہ اشعار عرب میں سے بھی چند شواہد پیش کرینگے تاکہ قرآن شریف کے لفظ زیربحث کے معنی اچھی طرح سمجھ میں آجائیں یہ بھی سن لیجئے۔

لوردن دوار عاذ خرجن شعترا کا مثال الرصاع قد بلینا (مبع معلقات معقلہ پنجم۔

ترجمہ: لڑائی میں وہ زرہ پہن کر داخل ہوتے ہیں ۔ اورپراگندہ ہو نکلتے ہیں ان لگاموں کی مانند جن کی گانٹھ پرانی ہوچکی ہوں"۔

بانا نور دالتوایات بیضا ونصد رھن حمرا قدروینا(سبع معلقات معلقہ پنجم۔

ترجمہ: ہم وہ لوگ ہیں جو اپنے سفید نیزوں کو اپنے دشمنوں کے سینوں کے اندرداخل کردیتے ہیں اورجب انکو نکال لیتے ہیں تو خون سے سیراب اورسرخ ہوتےہیں" ۔

رعو اظما ھمہ حتی اذا تم وار د غمارا تفرے بالسلاح وبالدم(سبع معلقات معلقہ سوم)

ترجمہ: کچھ دیر تک دونوں فریق لڑائی سے بازرہے۔ جب معیارختم ہوئی ۔ پھرلڑائی کے گہرے پانی میں اپنے ان کو کس طرح داخل کیا کہ ان کے ہتھیاروں اورخون سے پانی شق ہوگیا۔

ہم نے محض اس غرض سے قرآنی اورعربی شواہد پیش کئے تاکہ اس فاضل وہابی کی قرآن فہمی کی حقیقت واضح ہوجائے۔ ورنہ خودآیت زیربحث ،اس قدرواضح ہے کہ جس کی وضاحت کے لئے اور" شہادت کی" مطلق ضرورت ہی نہیں ہے۔

آپ کی قرآن فہمی کی لیاقت ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں کہ " آیت زیربحث کے معنی یہ ہوئے کہ ہرایك ابن آدم نیك ہو یا بدجہنم کےپاس سے گذریگا ۔ جس کی بابت حدیثوں میں اوپرلفظ آیا ہے نہ کہ اندرپھر وہ اپنے اعمال کے موافق جہنم سے دورہٹتے جائینگے ۔ اورظالم بدکردارلوگ جہنم میں چھوڑدئیے جائینگے" ہم کہتے ہیں کہ کیوں " ہرایك ابن آدم نیك ہو یا بد" جہنم کے پاس سے گذرنے ۔ جنت کے پاس سے کیوں نہ گذرنے۔ اورپھر ظالم بدکردار لوگ جنت کے پاس سے ہٹتے جائیں اورنیك لوگ جنت میں داخل ہوتے جائیں تاکہ بدکرداروں کو اورنیزاس شخص کو جس کا ذکر " نشانات مرزا بجواب الہامات مرزا" میں ہے۔ جنت کا نظارہ دیکھ کر

اپنے قبح افعال کا اورزیادہ احساس ہوجائے کہ اگر وہ بدکردار نہ ہوتا تو ایسی دلفریب جگہ میں داخل ہوجاتا۔

شاہد آپ کی تفسیر کے بموجب اللہ میاں کو یہ منظور ہے کہ بدکرداروں کو جنت کی ہوا تک نہ لگنی پائے۔ خواد نیک کرداروں کو دوزخ کے پاس سے گذرنا پڑے اس کی بلا سے ۔یہ آپ نے خوب کہا کہ " پھر وہ اپنے اعمال کے موافق جہنم سے دور ہٹتے جائینگے"۔ اعمال کا یہاں کیا دخل ہے۔ کیا آپ اس قدر جلد بھول گئے کہ اعمال ہرگز موجب نجات نہیں"۔ جب " اعمال ہرگز موجب نجات نہیں" تو پھر دو اپنے اعمال کے موافق کس طرح جہنم سے ہٹتے جاسکینگے؟ حالانکہ یہ جملہ کہ " پھر وہ اپنے اعمال کے موافق جہنم سے دور ہٹتے جائینگے" آیت زیربحث کے کسی لفظ کا ترجمہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ ایک وہابی کے فرسودہ دماغ کا اختراع ہے جو بزعم خود اللہ میاں کی اصلاح کررہا ہے ۔ مولوی صاحب آپ کا مقابلہ اس شخص سے پڑا ہے جو آپ کی آخری عمر تک آپ کو قرآن پڑھاسکتا ہے۔ یہ صرف تعلی کے طورپر نہیں کہتا بلکہ میں اس کو بارہا ثابت بھی کرچکا ہوں ۔ اس لئے اس قسم کے من مانی ترجموں سے آپ کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اگر آپ کامیاب ہونا چاہتے ہیں تو میں اس کی صورت آپ کو بتلاتا ہوں۔ وہ یہ ہے کہ آخر تو آپ اہلِ حدیث ہیں جہاں حدیثوں کے رو سے صدہا آئتوں کو منسوخ مانتے ہیں وہاں اس آیت کو بھی ان میں اضافہ کرکے اس کو بھی منسوخ کہہ دیں یعنی یہ کہ اللہ نے اپنے قول سے رجوع کیا ہے اوراپنا پیچھا چھوڑائیے۔

آپ نے یہ بھی غلط لکھا کہ" جس کی بابت حدیثوں میں اوپر کا لفظ آیا ہے کہ اندر" میں نے آیت زیربحث کی تفسیر کےلئے اپنے رسالہ میں ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہی لفظ وردو۔ بہ معنائے دخول وارد ہوا ہے۔ جس کے جواب میں آپ ہی بے آپ کی طرح تڑپ رہے ہیں ۔ لیکن بنتا کچھ نہیں ہاں ایک ضمن میں آپ نے یہ لکھا کہ" قرآن مجید اورحدیث شریف کی تشریح تو ہم نے شہادت قرآن آپ کو بتادی" ہم نے بھی آپ کی اس تشریح کی دوتشریح کی جس کی دھجیاں قیامت تک آپ کی آنکھوں کے سامنے اڑتی پھرینگی۔

ناظرین جس حدیث کوہم نے بطورتفسیر نقل کیا ہے اُس میں ایک ایسا لفظ وارد ہے جو مولوی صاحب کی تمام امیدوں پر پانی پھیردیتا ہے۔ وہ لفظ یصدون ہے۔ جس کے معنی نکلنے کے ہیں۔ اورلفظ " درود" کا ضد ہے۔ چنانچہ المصباح المنیر میں جو نہایت معتبر لغت کی کتاب ہے لکھا ہے کہ فالورد خلاف الصدود۔ و

الایرااوحلاف الاصدار (فصل الوادمع الراء)یعنی درود صددر اور ایرادواصدارایک دوسرے کے ضد ہیں۔ پس حدیث زیربحث میں چونکه صدور کے معنی نکلنے کے ہیں۔ لہذا ورود کے معنی داخل ہونے کےہیں۔آپ تونرے وہابی ہیں جن کے نزدیک بجز قرآن وحدیث کے باقی علوم کا پڑھنا بدعت ہے۔آپ کے ٹھوکر پر ٹھوکر کھانے کا یہی سبب ہے ۔ ورنه اگر آپ کم ازکم لغات کی طرف رجوع کرتے توآپ کو اس قدر خجالت نصیب نه ہوتی۔ صرف یہی نہیں بلکه حدیث مافوق میں ہرایک نکلنے والے کی کیفیت بتلائی گئی ہے که بعض توبجلی کی چمک کی طرح اوربعض گھوڑے کی دوڑکی طرح اور بعض سوارکی طرح اوربعض انسان کی دوڑکی طرح اوربعض پیادہ چلنے کی طرح دوزخ سے نکلینگے۔ پس اگر درود کے معنی یہاں" پاس سے گذرنے کے ہوتے تو نکلنے اورپھراس طرح نکلنے کے کیا معنی؟

خیران تمام باتوں کو جانے دیجئے ۔ اگر ہم آپ کو ایک سے زیادہ حدیثیں ایسی بتلادیں جن میں صاف طورپر ورود کے معنی دخول کے ہوں تب تو ہمیں یقین کرلینا چاہیے که آپ فی الفوراسلام چھوڑکر مسیحیت کے دائرہ میں داخل ہونگے۔ ناظرین حدیث ذیل کو غورسے پڑھیں:

احادیث کی شہادت که وارد کے معنی داخل کے ہیں

(۱۔) ان عبدالله بن رواحته قال خبرالله عن الورود ولمه یخبر بالصد ورنقال علیه السلام یا ابن رواحته اقراما بعد ہاثم ننجی الذین اتقو (تفسیر کبیر جلد پنجم صفحه ۵۵۶ مطبوعه مصر)۔

ترجمہ: عبدالله بن رواحه نے آنحضرت صلعم سے کہاکه خدا نے دوزخ میں داخل ہونے کی خبر تو دی لیکن اس سے نکلنے کی خبر نه دی آنحضرت نے کہا که اے رواحه کے بیٹے اس کے بعد کا جمله پڑھو که ثم ننجی الذین اتقوا۔

(۲۔) ام مبشره لایدخل النانشاء الله من اصحاب الشجره احد الذین بالیعوا تحتها فقالت حفصته بلی یارسول الله فانتهر هافقالت حصفته وان منکم الاوارد فقال النبی صلی الله وسلم فقد قال الله تعالیٰ ثم ننجی الذین اتقوا ونذرالظالمین فیها جثیا۔(مشارق الانوار حدیث نمبر۶۳۸)۔

ترجمہ: " کتاب مسلم میں اُم مبشر سے روایت ہے که حضرت نے فرمایا که اگر خدا نے چاہا تو نه ہوگا داخل دوزخ میں درخت والے اصحاب سے کوئی جنہوں نے اس کے نیچے بیعت کی تو حضرت حفصه نے کہا کیوں نه داخل ہونگے یا رسول سو حضرت

نے ان کو جھڑکا ۔ پھر حضرت حفصہ نے کہا کہ خدا قرآن میں فرماتا ہے کہ" تم میں سے ہر ایک دوزخ میں داخل ہوگا"۔ آنحضرت نے فرمایا کہ خدا اس سے آگے فرماتا ہے کہ " پھر ہم بچائیں گے پرہیزگاروں کو اور بدکرداروں کو۔ گھٹنوں کے بلُ اس میں پڑے رہنے دینگے۔

کہو مولوی صاحب ! اب بھی کچھ عذر باقی ہے ؟ حقیقت یہ ہے کہ آپ صرف نام کے اہل حدیث ہیں۔ آپ کو احادیث پر عبور حاصل نہیں۔ ورنہ کبھی یہ تعلی نہ کرتے کہ جس کی بابت حدیثوں میں اوپر کا لفظ آیا ہے نہ کہ اندر۔ اگر آپ یہ نامعقول عذر کریں جیسی آپ کی عادت ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت حفصہ نے ورود کے معنی دخول کے کئے ہیں نہ کہ آنحضرت نے تو ہم یہ کہتے ہیں کہ اگر حضرت عبداللہ بن رواحہ اور حضرت حفصہ نے ورود کے معنی غلط بتلائے تو آنحضرت پر فرض تھا کہ اُن کو بتلاتے کہ تم نے غلط معنے کئے ہیں۔اس کے معنی دخول کے نہیں ہیں بلکہ" پاس سے گذرنے کے ہیں"۔ لیکن آنحضرت کا خاموش رہنا صاف بتلا رہا ہے کہ آیت زیربحث میں وارد کے معنی داخل ہونے کے ہیں نہ کچھ اور یہ لیجئے ہم آپ کو ایک اور ایسی حدیث بتلادیتے ہیں جس میں خود آنحضرت نے ورود کے معنی دخول کے بتلائے ہیں۔

" وعن جابر انہ سل عن ھذا الایتہ فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول الورود الدخول لا یبقی بر ولا فاجرا وخلھا فتکون علیٰ المومنین برداً اوسلاماً حتی ان الناس صبحیا من بودھا (تفسیر کبیر جلد پنجم صفہ ۵۵۶ مطبوعہ مصر)۔

ترجمہ: حضرت جابر بیان کرتےہیں کہ کسی نے اس (آیت زیر بحث) کے متعلق اُن سے سوال کیا تو حضرت جابر نے کہا کہ میں نے آنحضرت کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ورود کے معنی دخول کے ہیں اور کوئی ایسا نیک اور بدکردار شخص باقی نہ رہیگا جو دوزخ میں داخل نہ ہو۔ لیکن نیک کرداروں پر وہ ٹھنڈا اور بے ضرربن جائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی سروی سے لوگ چلا اٹھینگے۔

لواب تو فیصلہ ہوگیا کہ آیت زیر بحث میں وارد کے معنی داخل کے ہیں۔

اب آپ ہی انصاف سے کہہ دیں کہ آپ کے اس منقولہ شعر کا کہ

گدایاں رازایں معنی خبر نیست　　　کہ سلطاں جہاں باماست امروز

مصداق کون ہے ۔ ہم یا آپ ؟

پس ثابت ہوگیاکہ آیت زیر بحث میں وارد کے معنی داخل کے ہیں ۔کیونکہ خود قرآن شریف کی شہادت " اشعار عرب کی " شہادت" اوراحادیث کی " شہادت" ہمارے حق میں ہے نہ کہ آپ کے حق میں۔

مولوی صاحب ! میں پھر کہتاہوں کہ آپ بیچارے کیا اگر تمام مسلمان اکٹھے ہوں اورآپ جیسے کروڑوں شیرقالین ان کی مدد میں ہوں تو وہ اسلام میں نجات ثابت نہیں کرسکینگے۔

فصل چہارم

لفظ وارد کا فیصلہ اوردوزخ کا بھرجانا

خدا کے فضل وکرم سے آیت نمبر اول کے لفظ وارد کی تشریح وتوضیح سے ہم فارغ ہوگئے یعنی خود قرآن شریف کی دیگر آیات کے رو سے اوراشعارعرب کے رو سے اوربالتخصیص خودآنحضرت صلعم کی زبانی ہم نے نہایت واضح طورپر ثابت کردیاکہ وان منکم الا واردھا میں وارد کے معنی داخل ہونے کے ہیں۔ اورحضرت جابر کی حدیث نے تو بیچارے مولوی ثناء اللہ صاحب کی تمام امیدوں پر پانی پھیر کر اُس کا فیصلہ ہی کردیا کہ وارد کے معنی نہ صرف داخل ہونے کے ہیں بلکہ ہر ایک مسلمان کا خواہ نیک ہو یا بد دوزخ میں داخل ہونا ضروری امرہے۔ دوزخ خواہ گرم ہو یا سرد خواہ وہ اپنے ہمراہ اورکوٹ لے کر جائے یا خس کی ٹٹی اس سے بحث نہیں۔ بحث تو اس سے ہے کہ ہرایک مسلمان کواس جگہ جاتا ہے جس کا نام دوزخ ہے اوریہ ثابت ہوگیا۔

میں لگے ہاتھ مولوی صاحب کو ایک اور پرُلطف حکایت سنانا چاہتا ہوں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جب انسانوں اورجنوں سے دوزخ نہیں ہوجائے گا توپھر کس طرح خدا دوزخ کوبھردے گا۔

خدا کا دوزخ کو بھردینا

وعن انس عن النبی صلے اللہ وسلم قال لاتزال جہنمہ یلقی فیھا وتقول ھل من مزید حتی یضیع رب العزت فیھا قدمہ فینروی بعد صفہا الی بعض فتقول قط قط بغرتک وکرمک متفق علیہ (مشکوات کتاب الفتن فی خلق الجنتہ والنار)

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ ہمیشہ آدمی دوزخ میں ڈالے جائینگے۔ اوروہ کہتارہیگا کچھ اوربھی ہے یہاں تک کہ عزت والا پروردگاراس میں اپنا قدم رکھیگا تو وہ آپس میں سمٹ جائیگا اور کہیگا کہ بس بس تیری عزت اوربزرگی کی قسم"۔ اس حدیث سے اورایک اورحدیث بھی ہے جو ابوہریرہ سے مروی ہے اورمتفق علیہ ہے۔ اس میں بجائے قدم کے یہ جملہ ہے کہ حتی یصنح اللہ رجلہ یعنی "یہاں تک کہ خدا اس میں اپنا پاؤں رکھیگا۔

ہم مولوی صاحب کی طرح غلط مبحث نہیں چاہتے ہیں ورنہ یہ ضرورپوچھتے کہ اللہ کے پاؤں اورقدم کیسے ؟ اگر درحقیقت آپ اہل حدیث ہیں توان احادیث کی تاویل یا تفسیر توکردیجئے ۔ پھر دیکھئے آپ کوکن کن مصیبتوں کا سامنا ہوگا۔

ناظرین حدیث بالا کو پڑھ کر ضرورت دریافت کرنا چاہتے ہونگے کہ اللہ کواس طرح دوزخ بھردینے کی کیوں ضرورت لاحق ہوئی۔ اس کی وجہ آیت نمبردوم بتلاتی ہے جو حسب ذیل ہے۔

(۲۔)شَاء رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ أُمَّةً وَاحِدَةً وَلاَ يَزَالُونَ مُخْتَلِفِينَ إِلاَّ مَن رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذَلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لأَمْلأنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِين (سورہ ہود آیت ۱۱۲)۔

ترجمہ: اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک امت بتاتا۔ لیکن یہ ہمیشہ اختلاف کرتے رہینگے ۔ مگر جس پر تیرے رب کا حکم ہوا اورخدا نے اُن کو اسی لئے پیدا کیا ہے تاکہ تیرے رب کی یہ بات پوری ہو کہ میں جنوں اورآدمیو ںسے دوزخ بھردونگا" (میں مسیحی کیوں ہوگیا صفحہ ۳۳)۔

لیکن خدا سے یہ بھی تو نہ ہوسکا کہ دوزخ کو انس اورجن سے بھردیتا ۔کیونکہ حدیثوں میں دوزخ کا جو نقشہ کھینچا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دوزخ اس قدرطویل وعریض ہے کہ تمام افرادِ انسانی اورجن کیا اگرہماری اس زمین کی طرح سترزمینیں بلکہ ستر ہزارزمینیں بھی اس میں ڈال دی جائیں تواس کا ایک کونا بھی بہ ہزار مشکل بھرسکیگا۔ اس لئے جب اللہ نے دیکھاکہ دوزخ توبھرتا ہی نہیں

اورمیں وعدہ کرچکا ہوں کہ تجھ کو بھر دونگا۔ اس لئے اپنی بات کو پورا کرنے کے لئے اپنے پاؤں کو دوزخ میں رکھا تاکہ اس کم بخت کا پیٹ بھر جائے یہ ہے آیت نمبر دوم کی صحیح تفسیر جو مولوی صاحب کی سمجھ میں اب تک نہیں آئی۔

یہ آیت اس قدر صاف اور غیر مبہم ہے کہ اگر کسی شخص کو ذرا بھی عربی سے واقفیت ہو تو وہ اس کے مفہوم کے سمجھنے میں کچھ بھی دقت محسوس نہ کریگا۔ لیکن بیچارے مولوی صاحب سمجھیں تو کیونکر سمجھیں۔ کچھ تو ان کی اپنی فضیلت کا خیال اور کچھ اپنا حلوہ مانڈے کا فکر اور کچھ شیر قالین کہلانے کا پاس۔ لہذا اگر کچھ سمجھیں بھی تو اس کو کس طرح ظاہر کریں۔ چنانچہ انہیں مجبوریوں سے مجبور ہوکر بادل ناخواستہ جس پر اُن کی عبادت شہادت دی رہی ہے یوں ارشاد فرماتے ہیں۔

" اس مشکل کی آپ نے نہیں بتائی۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے ہیں کہ کیا مشکل پیش آئی تھی ۔ اب ہم اس آیت کی تفسیر کردیتے ہیں کہ ممکن ہے کہ صحیح تفسیرہی سے آپ کی مشکل حل ہوجائے۔

اس میں کیا شک ہے کہ دنیا میں اختلاف رائے ہے نہ صرف دنیاوی کاموں میں بلکہ دنیاوی امور میں بھی۔ نہ صرف بیرونی کاموں میں بلکہ خاندانی امور میں بھی۔ اختلاف کا مبنی دارصل اختلاف فہم ہے جو قدرتی اصول پر مبنی ہے۔ اس قدرتی اختلاف کو ملحوظ رکھ کر قرآن مجید کی آیت مذکورہ میں بتایا گیا ہے کہ باوجود ان اختلافات کے خدا کو قدرت ہے کہ اگر چاہتا تو ان سب لوگوں کو متحد الخیال بنادیا (لاریب فیہ) اس کے بعد فرمایا انسانی افراد اپنے خیالات میں ہمیشہ مختلف رہینگے اوران کو اسی اختلاف پر پیدا کیا ہے۔ مگر جن لوگوں کے تلاش حق کرنے کی وجہ سے اُن پر خدا کی عنایت ہوگی وہ اس اختلاف سے الگ رہ کر سیدھی راہ پر چلینگے اور جو ٹیڑھے چلینگے خدا اُن سے جہنم کو بھریگا۔

یہ ہے اس آیت کی صحیح تفسیر" (اہل حدیث ۲ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳)۔

شیر قالین کی گریز

قصیدوں میں گریز ایک صنعت خوبی)سمجھی جاتی ہے اور اس کی وجہ سے قصیدے کا حسن دوبالا ہوجاتا ہے۔ اسی طرح مباحثوں میں اگر گریز صداقت ودیانت کے نام پر اختیار کی جائے اوراس میں روبابازی اورپردہ داری کا مطلق دخل نہ ہو تو نہایت مستحسن سمجھی جاتی ہے ورنہ نہایت مذموم اور بددیانتی

سمجھی جائیگی ۔ جو لوگ صداقت شعار و است گفتار ہوتے ہیں وہ علی اعلان اپنی شکست کا اظہار کرتے ہیں نہ خود کو دھوکہ دیتے ہیں اور نہ دوسروں کو دھوکہ میں ڈالنا چاہتے ہیں لیکن شیر پنجاب کو اپنی ہٹ دھرمی اور عزت کا اس قدر پاس ہے کہ مجال کیا کہ سرِ موٹس سے مس ہوجائے ۔ چنانچہ کس بھولے پن سے آپ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ " اس مشکل کی وجہ آپ نے نہیں بتائی ۔ اس لئے ہم نہیں کہہ سکتے کہ کیا مشکل پیش آئی تھی" ۔ آپ کی سمجھ میں کونسی بات آئی جو یہ آتی ۔ لیجئے ہم اپنے فرض سے سکبدوش ہوتے ہیں اور اس مشکل کی وجہ ہم آپ ہی کی زبانی آپ کو سناتے ہیں جس کو خدائے برتر نے آپ ہی کی قلم سے اس طرح لکھوایا کہ خود آپ کو بھی اس کی خبر نہ ہوئی وہ یہ ہے کہ:

آیت نمبر ۲ کی مشکلات :

(۱۔) انسانی افراد اپنے خیالات میں ہمیشہ مختلف رہیں گے۔ ان کو اسی اختلاف پر پیدا کیا ہے" ۔ جب خدا نے انسان کو اسی اختلاف پر پیدا کیا ہے جو شان خداوند کے سراسر منافی ہے اور وہ آپس میں ہمیشہ مختلف بھی " رہیں گے" اور پھر اسی اختلاف کو جس پر خود خدا نے انسان کو " پیدا کیا" ہے دوزخ میں جانے کا سبب ٹھہرنا کہاں کا عدل اور انصاف ہے ؟ آپ کا یہ کہنا کہ" مگر جن لوگوں کے تلاش حقِ کرنے کی وجہ سے ان پر خدا کی نظر عنایت ہوگی وہ اس اختلاف سے الگ رہ کر سیدھے راہ پر چلینگے " بالکل لغو ہے کیونکہ اگر" خدا کی نظر عنایت " ہوتی تو افراداً انسانی" کو اس "اختلاف" پر پیدا ہی کیوں کرتا ۔ نیز آپ خود لکھ چکے ہیں کہ" انسانی افراد اپنے خیالات میں ہمیشہ مختلف رہیں گے ۔ " انسانی افراد اپنے خیالات میں ہمیشہ مختلف رہیں گے ۔" تو اختلاف" سے کس طرح الگ" رہ سکینگے؟ دیگر یہ کہ انسان جس امر پر نظرتاً پیدا ہوتا ہے وہ اس امر سے کامل طور پر ہرگز" الگ" نہیں ہوسکتا ہے اگر اس پر بھی آپ " شہادت " چاہتے ہیں تو حدیث ذیل ملاحظہ فرمائیے۔ وعن ابی الدورد قال رہینما نحن عند رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نتدا اکرما یکون افرقال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلیم اذا سمعتم بجبل زال عن مکانہ فصد قوہ راز سمعتم برجل تغیر من خلقہ فلا تصد توا بدنانہ یصیرالی ماجبل علیہ رازہ احمد(مشکوات کتاب الایمان فی الصدر)

ترجمہ: ابی درو بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلعم کے پاس بیٹھے ہوئے آئندہ ہونے والی باتوں کے متعلق گفتگو کرتے تھے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایاکہ جب تم یہ سنو کہ فلاں پہاڑ اپنی جگہ

سے ٹل گیا تو تم اس کو سچ مانو اور جب تم یہ سنو کہ فلاں شخص کے اخلاق بدل گئے تو تم اس کو سچ مت مانو۔ کیونکہ جو شخص جس بات پر پیدا کیا گیا ہے اُسی پر قائم ہوجاتا ہے۔

علامہ علی قاری مشکوات کی شرح مرقات میں اس جملہ کی شرح میں یصیرالی ماحیل علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ یعنی الامر علے ماقدروسبق حتی العجز والکیس فاذا سمعتم بان الکیس صاربلیداً اوبابلعکس فکا نضد تولہ ضرب زوال الجبل مثلاً تقریب فان ھذا ممکن وزوال الخلق المقدرعماکان فی القدروغیرہ ممکن۔

یعنی ہر ایک انسان اسی بات پر قائم ہوجاتا ہے جو اس کی تقدیر میں پیشتر لکھی جاچکی ہے۔ حتیٰ کہ بزدلی اور عقلمندی وغیرہ بھی تقدیر سے ہیں ۔ جب تم یہ سنو کہ ایک عقلمند شخص جاہل یا کند ذہن بن گیا یا ایک کو ون شخص عقلمند بن گیا تو اس کو سچ مت مانو۔ آنحضرت نے جو پہاڑ ٹلنے کی مثال دی ہے یہ ایک تقریبی مثال ہے ۔جو ممکن ہے لیکن اس خلق کا زوال جو پہلے مقرر ہوچکا ہے محال ہے" لہذا " انسانی افراد" کو" اختلاف پر پیدا کرنے اور"اختلاف" بھی ایسا " جو ہمیشہ رہتا ہو اورپھر" اسی اختلاف" کو جہنم میں جھونک دینے کا سبب گرداننے کی تاویل بجز اس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ خدا کی نیت انسانوں کے متعلق بخیر نہیں ہے۔

فصل پنجم

مولوی ثناء اللہ صاحب کا اعمالنامہ

وہ نہیں چاہتا کہ کوئی انسان بھی دوزخ سے باہر رہے اس لئے فرمایا کہ لا ملسن الجھم من الجنتہ والناس اجمعین۔

(۲۔) ذرا سوچ تو لیجئے کہ یہ جملہ کس قدر یا س انگیز اور حوصلہ شکن ہے۔ کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ خدا کو کس امر نے اس بات پر مجبور کیا کہ وہ اپنی اُس بات کو پورا کرے کہ میں جنوں اور انسانوں کو دوزخ سے بھردونگا اورپھر اس بات کے پورا کرنے کے لئے اختلاف پیدا کرے اوراس اختلاف کے بہانے سے افراد انسانی کو جہنم میں جھونک دے کیا خدا کے " فضل " اور" رحم" کے یہی معنی ہیں ؟ جس راگ آپ الاپتے رہتے ہیں۔ اگر آپ بوجہ پیرانہ سالی یا وہابی ہونے کے صرف دنحول بھول چکے ہیں تو امرتس کے کسی حنفیہ مدرسہ میں کسی ادنےٰ درجہ کے طالب علم سے جاکر پوچھ لیجئے کہ لاملئن میں لام اورنون کے کیا معنی ہیں اورنیز یہ پوچھئے کہ " ناس" جمع ہے یا

واحد اورپھر یہ پوچھ لیجئے کہ ناس پر الف لام کے کیا معنی ہیں اوریہ پوچھ لئجئے کہ اجمعین کس لئے آیا ہے تو وہ طالب علم آپ کو بتلائیگا کہ لاملئن میں لام تاکید یا نون تاکید ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ" ضرور بصد ضرور میں بھردونگا"۔ اورناس کے متعلق یہ بتلادیگا کہ یہ جمع ہے یعنی تمام اصناف انسانی اورالف لام کے متعلق یہ بتلادیگا کہ الف لام استغراق ہے جو تمام افراد انسانی پر حاوی ہے جس کے معنی۔ یہ ہیں کہ " تمام افراد انسانی" اجمعین کی بابت یہ بتلادیگا کہ یہ تاکید معنوی ہے یعنی " سب کے سب"۔

پس اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ " میں ضرور بصد ضرورسب کے سب تمام افراد انسانی سےدوزخ کو بھردونگا"۔ اب ایک سوال اورآپ سے کرکے اس حصہ کو ختم کرتا ہوں وہ یہ کہ آخر آپ بھی تو افراد انسانی میں شامل ہیں۔ آپ کدھر جانا چاہتے ہیں دوزخ کی طرف یا جنت کی طرف ہماری تو یہی دعا ہے کہ آپ بھی ہمارے ساتھ جنت میں ہوں۔

ذرہ ذرہ کا حساب کتاب

میں نے ومن یعمل مثقال ذرتہ خیراً یروہ من یعمل مثقال ذرتہ شرایرد (میں مسیحی کیوں ہوگیا صفحہ ۲۵) کی بناء پر یہ دعویٰ کیا تھاکہ اس قسم کی آیات کو پڑھ کر جوبادی النظر میں مرغوب اور تسلی بخش معلوم ہوتی ہیں۔ میرے دل میں یہ سوال پیدا ہواکہ کیا یہ ممکن ہے کہ ہم سے نیکی ہی نیکی سرزد ہوجائے اورکسی قسم کی بدی سے ہم سرزد نہ ہو؟ کیا انسان میں ایسی طاقت ہے؟ (میں مسیحی کیوں ہوگیا صفحہ ۲۵، ۲۶) سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے میں نےاپنے رسالہ کے پانچ صفحوں میں مسلسل عقل اورنقلی دلائل سے اس پر بحث کرکے ثابت کردیا کہ بجز حضرت عیسیٰ کے اورکوئی انسان اپنے آپ کو نہ تو گناہوں سے بچا سکا ہے اورنہ بچاسکتا ہے۔ چنانچہ مولوی صاحب نے ہمارے ان تمام دلائل کو تسلیم کرکے اپنی خاموشی اورسکوت سے یہ ظاہرکردیاکہ درحقیقت انسان کا بے گناہ رہنا ایک امر محال ہے مگرمولوی صاحب نے یہ غضب کیاکہ جس آیت کی بناء پر میں نے یہ دعویٰ کیا تھاآپ نے اس آیت کو درخوراعتنا نہ سمجھااور صرف ہمارے دعویٰ کو دلائل سے علیحدٰہ کرکے اختصار کے ساتھ یوں رقم فرمایا کہ

" میرے دل میں یہ سوال پیدا ہواکہ یہ ممکن ہے کہ ہم سے نیکی ہی سرزد ہوتی جائے اورکسی قسم کی بدی ہم سے سرزد نہ ہو؟ کیا انسان میں ایسی مفاقت ہے" صفحہ ۲۶۔ (اہل حدیث ۱۲اکتوبر

۱۹۲۸ء صفحہ ۳ کالم ۳) اب آپ کا جواب ملاحظہ ہو آپ فرماتے ہیں کہ:

" بس یہ ہے منشا غلطی اورمزلت الاقدام جہاں سے پادری صاحب لغزش ہوئی۔ آپ نے سمجھاکہ قرآن شریف میں جوبار بار اعمال صالحہ کی تاکید آئی ہے۔ اس سے مراد یہ ہےکہ انسان کے اعمالنامہ میں نیکی ہی نیکی ہو بدی کا نام ونشان نہ ہو۔ اگرہم قرآن شریف ہی سے اس عقدہ کو حل کردیں تو غالباً ہمارے بھائی کی غلطی رفع ہوسکتی ہے قرآن مجید کے اُتارنے والے عالم الغیب کو علم تھا کہ اعمال صالحہ کی تاکید پریہ سوال پیداہوگا۔ اس لئے اس نے پہلے ہی سے اس کا جواب قرآن میں دے رکھا ہے جو غالباً پادری صاحب کی نظر سے اوجھل رہا ۔ لہذا وہ غور سے سنیں ارشاد ہے۔ امامن ثقلت موازینك فھو فی عیشتہ راضیتہ۔ جس شخص کے اعمال میں اکثریت اچھی ہوگی وہ نجات پاجائیگا۔

اس ارشاد الہیٰ نےپادری صاحب کے عقدہ کو حل کردیا۔ لاالحمد ۔(اہلحدیث ۱۲اکتوبر۱۹۲۸ءصفحہ ۲، ۳)۔

"آپ نے یہ غلط سمجھا کہ میں نے سمجھا کہ قرآن شریف میں جوباربار اعمال صالحہ کی تاکید آئی ہے اس سے یہ مراد ہے کہ انسان کے اعمالنامہ میں نیکی ہی نیکی ہو بدی کا نام ونشان نہ ہو"۔ میں نے جوکچھ سمجھا آیت بالا سے سمجھا جس کو آپ نے کسی مصلحت سے نقل نہیں کیا۔ یہ آیت اس قدرواضح ہے کہ جس کی توضیح کی ضرورت ہی نہیں ۔ جب ذرہ ذرہ نیکی کی جزا اورذرہ بدی کی سزا ملیگی تو خواہ نخواہ اس کا نتیجہ یہی نکل آتا ہے کہ جب تك انسان نیکی ہی نیکی نہ کرے۔ اس وقت تك ممکن نہیں کہ وہ نجات حاصل کرسکے۔ کیونکہ اگراس کے اعمال نامہ میں ذرہ بھی بدی ہو تو اگر خدا اپنے قول میں سچا ہے تو ضرور وہ بدکار شخص اس ذرہ بھربدی کی سزا بھگتے گا"۔ پس میں نے " سمجھا" نہیں بلکہ یہ قرآن شریف کا ایسا ناطق فتویٰ ہے۔ جس کے سامنے باقی فتویٰ باطل ہیں۔ پس میں نے نہیں" سمجھا" بلکہ خود قرآن شریف نے سمجھایا۔ آپ کا مندرجہ بالا آیت کو پیش کرنا" امامن ثقلت"آپ کی قرآن فہمی کا بین ثبوت ہے۔

فصل ششم

مولوی ثناء اللہ صاحب اب کیا کرینگے

خیر جب مولوی صاحب سے آیت محولہ بالا کا جواب نہ بن سکا تو آپ نے بمصداق ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ اس آیت کو پیش کیا کہ" امامن ثقلت موازینہ فھوفی عیشتہ راضیتہ" بیچارے کو اتنا بھی خیال نہیں رہا کہ اس آیت میں اورآیت موحولہ بالا میں کھلا اختلاف ہے یعنی آیت محولہ بالا میں صاف طورپر یہ اعلان ہے کہ جو شخص ذرہ بھربھی نیکی یابدی کرے گا وہ اسکی جزا یا سزا کو بھگتیگا۔ اورآیت امامن ثقلت موازینتہ میں یہ اعلان ہے کہ نہیں ذرہ ذرہ کا حساب غلط ہے بلکہ " جس کے اعمال میں اکثریت اچھی ہوگی وہ نجات پاجائیگا" اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے فرض کیجئے کہ ذیر کے اعمالنامہ میں سو نیکی ہیں اوردس بدی ہیں۔ ظاہرہے کہ زید کے "اعمال میں اکثریت اچھی " ہے۔ لہذا مولوی صاحب کے عندیہ کی بناء پر زید کی دس بدیوں کی بُازپرس نہ ہوگی اوروہ سیدھا جنت کو سدھاریگا۔ لیکن یہ آیت ومن یعمل مثقال ذرہ الخ یہ کہتی ہے کہ مولوی ثناء اللہ غلط کہتے ہیں بلکہ ذرہ ذرہ کاحساب ہوگا۔ یعنی زید کو اُن دس بدکاریوں کا بھی مواحذہ ہوگا۔ جو زید سے سرزد ہوئی ہیں۔

میں پوچھتا ہوں کہ اگر خدا کو یہی منظور تھا کہ" جس کے اعمال میں اکثریت اچھی " ہو " وہ نجات پاجائے گا" تو آیت ومن یعمل مثقال ذرتہ الخ کے نازل کرنے کی کیاضرورت تھی؟ کیا یہ صرف دھمکی ہی دھمکی ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں۔ اگریہی ہے توپھر سارے قرآن شریف کا خدا حافظ ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی بُرھان تطبیق

اس آیت میں ایک اوربڑی قباحت ہے وہ یہ کہ اگر مولوی صاحب نے دروغ مصلحت آمیز سے کام نہیں لیا ہے توازروئے قرآن شریف ہرایک انسان کوکم ازکم وہاں تک گناہ کرنے کی اجازت ہے ۔ جہاں تک اس کے گناہ ایک ڈگری اُس کی نیکیوں سے کم ہوں مثلاً بقول مولوی صاحب اگر زید نمازپڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے تو اگر وہ زنا کرے تو وہ جنت میں جائے گا ۔ کیونکہ ایک گناہ کے مقابلہ میں دونیکیوں میں " کثرت" اچھی ہے اسی طرح اگر زید نماز پڑھتا ہے اور روزہ رکھتا ہے حج کرتا ہے تو اگروہ جھوٹ بولے اورچوری کرے تو وہ سیدھا جنت کو سدھاریگا ۔ کیونکہ دوگناہ کے مقابلہ میں تین

نیکیوں کی " کثرت اچھی " ہے۔ علیٰ ہذا القیاس اگر زید نماز پڑھتا ہے روزہ رکھتا ہے حج کرتا ہے زکواۃ دیتا ہے ۔ اگر وہ شراب پئے جوُا کھیلے، قتل کرے تو وہ بلاشك سیدھا جنت میں جائے گا ۔ کیونکہ تین گناہوں کے مقابلہ میں چار نیکیوں میں کثرت اچھی ہے "۔ اگر آپ مولوی ثناء اللہ صاحب کے عندیہ کے موافق ازطریق بالا نیکوں اوربدیوں کامقابلہ کرتے جائیں تو وہ شخص جس کی نیکیوں اوربدیوں میں سو اورننانوے کابھی فرق ہو یقیناً جنت میں جائے گا۔

پس ہو جیو بشارت واسطے مولوی ثناء اللہ کے ہے نام جن کا مختلف اورزبانوں کے مختلف لوگوں کی بھی واسطے اُن کے جو چلتے ہیں پیچھے پیچھے اُن کے ساتھ خطاب اہلحدیث کے کہ جاؤ گے تم بیچ جنت کے اگر ہو اوپر تمہارے گناہوں کے زیادہ ایك نیکی بھی۔ پس کرو تم گناہیں اوراڑاؤ تم گلچھڑے ہوسکیں جتنے بھی تم سے ۔ مگر ساتھ اس شرط کے رکھیو حساب اس بات کا کہ رہے بیچ اعمال تمہارے ایك درجہ زیادہ اوپر تمہارے گناہوں کے۔

فلسفہ کی کتابوں میں بہت سے براہین ہیں جن میں سے ایك نام " برہان تطبیق ہے۔ متکلمین اس سے یہ استدلال کرتےہیں کہ دنیا محدود ہے۔ لیکن مولوی صاحب نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر گناہ بمقابلہ نیکی کے محدود ہو تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا۔ خواہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہو۔ یہ ہے اسلام کی نجات جس پر ہمارے اہلحدیث دوست کو بہت کچھ ناز ہے۔

شائد اسی آیت بالا کی بناء پرمولوی ثناء اللہ صاحب نے گورداسپور کی عدالت میں حلفیہ بیان دیاتھاکہ " دروغ گو۔ جعلساز، بہتان باندھنے والا ۔ افترا باندھنے والا۔ دغا دینے والا ایك معنی سے متقی ہے۔ بشرطیکہ توحید پر قائم ہو"۔ ہم ناظرین کی دلچسپی کے لئے مولوی صاحب کے حلفیہ بیان کی نقل اخباربدرقادیان مورخہ ۱۶ جون ۱۹۱۰ء سے ذیل درج کرتےہیں ۔ تاکہ ناظرین کو اسلام کی نجات اچھی طرح سمجھ میں آجائے وہ یہ ہے :

" نقل حلفیہ بیان مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری

درعدالت لالہ آتما رام صاحب سابق مجسٹریٹ درجہ اول گورداسپور

نماز پڑھنے والا ، زناکرنے والا ایك قسم کا متقی ہے۔ قرآن کاکوی حکم توڑنے والا بھی متقی ہوسکتاہے۔ دروغ گو میں اگر اوصاف شرعیہ ہیں تو وہ ایك معنی میں متقی ہوسکتا ہے (قرآن حمائل ترجمہ نذیر احمد) اس کے ۸۰ صفحہ پر جن متقیوں کا ذکر ہے وہ یہ ہیں صبر کرنے والے۔سچ بولنے والے اورخدا کی تابعداری کرنے

والے اوراللہ کی راہ میں خرچ کرنے ولے اورصبح کے وقت بخشش مانگنے والے۔ یہ تمام صفات اس متقی میں ہونی چاہیے جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ یہ خاص متقی ہیں اگران صفتوں میں سے کوئی صفت جاتی رہے توان معنوں میں متقی نہ ہوگا۔ یہ تعریف قرآن کے خاص اس قسم کے متقیوں کی ہے۔ جن کا ذکر اس میں ہے۔ قرآن کی پہلی آیت میں جو متقی ہیں اوراس آیت میں جو متقی ہیں اُن میں فرق ہے۔ ایک شخص جھوٹ بول کر پہلی آیت کےمعنوں میں متقی ہوسکتا ہے ۔ بشرطیکہ اوراحکام کا پابند ہو۔ اگر ہمیں اس کے دیگر احکام کی پابندی کا علم نہیں ہے توہم اسے متقی سے الگ نہیں کرسکتے۔ جھوٹ بولنا ہر حالت میں ایک معنی سے منع ہے یعنی گناہ ہے۔ فاسق ایک معنی سے متقی ہوسکتا ہے ۔ جھوٹ فجوری یعنی گناہ فاسق ایک معنی سے متقی ہوسکتا ہے۔ جھوٹ فجوری یعنی گناہ فاجر کا مادہ فجوری کاذب ایک معنی میں قاصر ہے۔ ایک شخص برامل تقویٰ حاصل کرکے کریم شریعت میں کہلاسکتا ہے ۔ میں شرعی حیثیت سے کہونگا ایک شخص شریف الطرفین تقویٰ چھوڑکر میرے علم میں لئمیم نہیں ہے۔ شرعی لحاظ سے کریم نہیں ہوتا۔ شرعی احکام کےلحاظ سے لیئم ہوگا۔ بشرطیکہ اس میں کل عیب شرعی پائے جائیں۔

دروغ گو۔ جعلساز، بہتان باندھنے والا ۔ افترا باندھنے والا ۔ دغا دینے والا ایک معنی سے متقی ہے۔ بشرطیکہ خدا کی توحید پر قائم ہو"۔

یعنی جو کچھ چاہو سوکرو۔ صرف لاالہ اللہ پڑھو تو سیدھے جنت میں جا بسوگے۔ یہی وہ بات ہے جس کے متعلق میں نے اپنے رسالہ " میں کیوں مسیحی ہوگیا" میں لکھا تھا کہ اسلام میں نیک اعمال صرف ہاتھی کے دکھانے کے دانت ہیں اورایک حدیث کو بطورسند کے نقل کیا تھا۔ جس کے جواب سے مولوی صاحب ایسے قاصر رہے ہیں کہ گویا وہ حدیث میرے رسالہ بالا میں ہے ہی نہیں اوروہ حدیث یہ ہے۔

وعن ابی ذرقال اتیت النبی صلی اللہ وسلم ثوب بیض دھوتائمہ ثمہ اتیتہ وقد استقیط فقال مامن عبدقال لا الہ اللہ ثمہ مات علےٰ ذالک الادخل الجنتہ قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق

قال وانی زنی وان سرق علیٰ رغمه انف ابی ذرٍ وکان ابوذراذا حدث بهذا قال وان رغمه انف ابی ذرمتفق علیه۔

ترجمه: " ابی ذر نے کہا میں حضرت صلعم کے پاس آیا آپ سورہے تھے اورآپ پر سفید کپڑا تھا۔ جب میں پھر آیا تو آپ جاگتے تھے۔ آپ نے فرمایا که ہرایك بنده جو لا الا الله کہے اور اس پر مرجائے وه جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہاکه اگرچه وه چوریا زناکارہو۔ آپ نے کہا اگرچه چوریا زانی ہو۔ پھر میں نے کہا که اگرچه وه چوریا زانی ہو۔ آپ نے فرمایا اگرچه چوریا زانی ہو۔ پھر میں نے کہا اگرچه وه چوریا زانی ہو۔ آپ نے کہا اگرچه وه چوریا زانی ہو۔ اگرچه یه بات ابوذرکو ناگوار معلوم ہوتی ہے "(میں کیوں مسیحی ہوگیاصفحه ۳۵)۔

فصل ہفتم

مولوی ثناء الله صاحب کا خاتمه

میں اس آیت وامان ثقلت موازینته الخ پر ایك اورپہلو سے بحث کرونگا۔ اول یه که اگر مولوی صاحب کا استدلال اس آیت سے درست بھی ہوتب بھی کوئی انسان نجات نہیں پاسکتا ہے۔ کیونکه کوئی انسان ایسا نہیں ہے۔ جس کے اعمالنامه میں " اکثریت اچھی ہو"۔ دوئم یه که اسلام کے رو سے اعمالنامه میں اکثریت شایانِ التفات نہیں ہے۔

امراول کے متعلق قرآن شریف کی شہادت یه ہے که " ولویواحذالله الناس بظلم ماترك علیها من دابته (سوره النمل آیت ۶۳) یعنی" اگر پکڑے الله لوگوں کو اُن کے ظلم پر تو نه چھوڑے زمین پر ایك چلنے والا "۔ اس آیت میں دوباتیں قابل غور ہیں۔ اول لفظ " ظلم"۔ دوم اسکی نسبت ، لوگ سمجھتے ہونگے که ظلم کوئی معمولی بات ہے۔لیکن قرآن شریف کے مطالعه کرنے سے معلوم ہوتا ہے که ظلم کوئی معمولی بات نہیں بلکه وه ایك سخت گناه ہے جس کے کرنے والے پر لعنت بھیجی گئی ہے۔ که لعنت الله علیٰ الظلمین (سوره

الاعراف آیت ۴۲)۔ دوسری قابلِ غوربات ظلم کی نسبت ہے آیت بالا میں ظلم کی نسبت تمام افراد انسانی کے ساتھ دی گئی ہے۔ کیونکہ اول تو ناس خود صیغہ جمع ہے اورپھر اس الف لام استغراق کے اضافہ کرنے کے یہ معنی ہیں کہ تمام افراد انسانی ظالم ہیں۔ اس قدرتحلیل کے بعد اب آپ نفسِ آیت پر غورکریں کہ خدا کہتا ہے کہ " اگر پکڑے اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم پر تو نہ چھوڑے زمین پر ایک چلنے والا " ۔ یعنی اگر خدا انسانوں سے اُن کے گناہوں کا حساب لے توایک شخص بھی ایسا نہیں جو بچ سکے ۔ جس کا صاف اورواضح مطلب یہ ہے کہ کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے اعمالنامہ میں" اکثریت اچھی" ہوکیونکہ اگرکسی کے اعمالنامہ میں" اکثریت اچھی" ہوتی تو وہ کیوں نہ بچتا ضروربچ جاتا۔

ہماری تائید ایک حدیث سے بھی ہوتی ہے جس کو ہم ذیل میں نقل کرتے ہیں۔

حدثنا اسحاق بن منصور قال حمدوثنا روح بن عبادۃ قال حدثنا حاتمہ بن صغیرۃ قال حدثنا عبداللہ بن ابی ملکئتہ قال حدنفی القاعم بن محمد حد ثنی عائشتہ عن رسول اللہ صلے وسلم قال لیس احد یجا سب یوم القیمتہ الاھنک نقلت یارسول اللہ الیس قد قال اللہ فاما من اوتی کتابتہ بیمینہ فسوف یحاسب حساب یسیرا فقال رسول اللہ انما ذالک العرض ولیس احدمنا ینا قش الحساب یوم القیمتہ الاعذب (صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۹۶۸)۔

ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلعم نے فرمایاکہ کوئی شخص ایسا نہیں جس سے قیامت کے دن حساب لیا جائے اوروہ ہلاک نہ ہو۔ حضرت عائشہ نے کہاکہ یارسول اللہ کیا خدا نے قرآن میں یہ نہیں فرمایاکہ جس شخص کا اعمال نامہ اُس کے دہنے ہاتھ میں دیا جائے گا اس سے آسانی کے ساتھ حساب لیا جائے گا۔ آنحضرت صلعم نے جواب دیاکہ یہ صرف پیش کرنا ہے۔ ہم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ قیامت کے دن حساب میں چون وچرا کرے اوروہ عذاب میں مبتلا نہ کیا جائے"یہ اوربات ہے کہ خدا مواخذہ کرے یا نہ کرے ہمیں اس سے کچھ سروکارنہیں۔ ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ کسی انسان کے اعمال نامہ میں "اکثریت اچھی" نہیں ہے ۔ چنانچہ یہی ثابت ہوا۔

باقی رہا امر دوم۔ یعنی یہ کہ اسلام کے روسے اعمالنامہ میں نیکی کی " اکثریت " شایانِ التفات نہیں ہے۔ ان احادیث سے ثابت ہے جن کو میں اپنے رسالہ " میں کیوں مسیحی ہوگیا" میں نقل کیا ہے ۔ جن

کو مولوی صاحب نے چھوا تک نہیں۔ ناظرین سے التماس ہے کہ وہ رسالہ مذکورہ بالا کے صفحہ ۲۷ تک ملاحظہ فرمائیں۔ یہ وہ احادیث ہیں جن کے جواب سے اب تک مولوی صاحب سبکدوش نہ ہوسکے۔ اورنہ تابہ قیامت سبکدوش ہوسکیں گے۔

آپ آگے چل کر ارقام فرماتے ہیں کہ:

"پادری صاحب نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت آدم جو بھولے تو ان کی ساری اولاد بھولنے لگی اس حدیث سے آپ نے نتیجہ نکالا ہے ۔کہ

اس حدیث سے اس بات کا فیصلہ ہوگا کہ درحقیقت کل بنی آدم گنہگار ہیں۔ کیونکہ گناہ نے سب میں نفوذ کیا" (صفحہ ۲۸)۔ حیرانی ہے پادری صاحب کس کوشش میں ہیں اوراس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہیں۔ حدیث میں نسیان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے کہ انسان میں فطرتاً نسیان (بھولنا) داخل ہے۔عدم نسیان خدا کا خاصہ ہے۔ چنانچہ قرآن میں اشارہ ہے ۔ ماکان ربك نسیا تمہارا پروردگارنہیں بھولتا" (اہل حدیث ۱۲اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳ کالم ۲)۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کی دیانتداری

آپ لکھتے ہیں کہ" پادری صاحب نے ایک حدیث نقل کی ہے" وہ حدیث کہاں ہے شاید مولوی صاحب کے پیٹ میں! اگر آپ درحقیقت شیر قالین نہیں توآپ نے اس حدیث کو بجنسہ نقل کیوں نہیں کیا آپ کی دیانتداری کا یہ ایک ادنیٰ نمونہ ہے کہ بندگان خدا کودھوکے میں ڈال کر اُن کو یہ یقین دلا رہے ہیں کہ " پادری صاحب نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ آدم جو بھولے اُن کی ساری اولاد بھولنے لگی"۔ حالانکہ جس حدیث کو میں نے نقل کیا ہے نہ تواس کی عربی میں لفظ " بھولنا" ہےاور نہ ہی اس کے ترجمہ میں جس حدیث کو ہم نے نقل کیا ہے اس میں تین لفظ قابلِ غورآئے ہیں یعنی (۱۔) حجد۔(۲۔) نسی (۳۔) خطاء ۔ مولوی صاحب نے ان تینوں لفظوں میں سے صرف لفظ " نسی" کو لے لیا ہے اوراس کا غلط ترجمہ کرکے اپنے ہم خیالوں کو یہ یقین دلایا ہے کہ بس پادری سلطان محمد کا جواب ہوچکا۔ حالانکہ لفظ نسی کے معنی بھولنے کے نہیں بلکہ ترک کرنے کے ہیں۔ اچھا اس لفظ کو جانے دوآپ کا ترجمہ ہی صحیح لیکن لفظ حجد کےمتعلق جس کےمعنی انکاراورلفظ خطا کے متعلق جس کے معنی گناہ کے ہیں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ کچھ بھی نہیں سراسر خاموشی ۔ آپ کی کمزوری کا ایک بین ثبوت یہی ہے کہ

آپ نے اس حدیث کو نقل ہی نہیں کیا۔ کیونکہ اصل میں ایسے الفاظ ہیں جن کی تاویل آپ کرہی نہیں سکتے۔ لیجئے میں پھر اس حدیث کو ذیل میں لکھتا ہوں تاکہ آپ کی دیانتداری کی حقیقت سب پر ظاہر ہوجائے۔ وہ حدیث یہ ہے:

" وعن ابی هریره قال قال رسول الله لما خلق الله ادم مسح ظهره فسقط عن ظهر وکل نسمته هو خالقها من ذریته الی یوم القیمته وجعل بین عینی کل انسان منهم وبیصا من نورثم عرضهم علےٰ ادم قال ای رب من هولا قال ذریتك فرایٰ رجلا منهمه فاعجبته ویعص مابین عینیته قال ای رب من هذا قال داؤد فقال اے رب کم جم جعلت عمره قال متین سنته قال رب رده من عمریٰ ربعین سنته قال رسول الله صلی وسلم انقفی عمرادم الاربعین جاء ملك الموت فقال ادم اوبصرین مت عمری اربعون سنته قال اولمه تطها ابنك داؤد فجته ادم فجدت ذریته ونسی نادم فاکل من الشجرته فنیست ذریته وخطاء آدمه وخطات ذریته رواه الترمذی ومشکوات باب الایمان ۔ لقد۔

ترجمہ: ابوہریرہ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلم نے فرمایا۔ جب خدا نے آدم کو خلق کیا اُس کی پشت کو چھولیا۔ پس آدم کی پشت سے اُس کی اولاد کی جانیں جن کو وہ قیامت تک پیدا کرنے والا ہے ٹپکنے لگیں اور ہرایک انسان کی دوآنکھوں کے بیچ میں اپنے نور کی روشنی رکھی۔ اس کے بعد اُن کو آدم کے سامنے پیش کیا۔ آدم نے کہا اے رب یہ لوگ کون ہیں۔ خدا نے کہا یہ تیری اولاد ہیں۔ پس آدم نے ان میں ایک ایسے شخص کو دیکھا جس کی دوآنکھوں کے بیچ کی روشنی آدم کو پسند آئی۔ آدم نے کہا اے رب یہ شخص کون ہے۔ خدا نے کہا داؤد ہے۔ آدم نے کہا اے رب اس کی عمر کو آپ نے کیا مقرر کیا ہے۔ خدا نے کہا ساٹھ سال آدم نے کہا خداوند میری عمر چالیس برس اس کی عمر میں زیادہ فرمائیے۔ آنحضرت صلم نے فرمایا کہ جب آدم کی عمر ختم ہونے کو آئی بجز اس چالیس کے (جو داؤد کو دئیے تھے۔ سلطان) ملك الموت آدم کے پاس حاضر ہوا پس آدم نے کہا کہ کیا میری عمر میں سے چالیس برس باقی نہیں ہیں؟ ملك الموت نے کہا کیا تو نے اپنے بیٹے داؤد کو نہیں بخشا تھا؟ پس آدم کے انکار سے اس کی ذریت انکاری ہوئی۔ اورآدم کی نسیان سے جو شجر ممنوعہ میں سے کھایا اُس کی اولاد بھی ناسی ہوئی۔ آدم نے خطا کی اُس کے لڑکے کے بھی خاطی ہوئے۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے"۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ آدم کا اپنے وعدے کو ترک کرنا اورآدم کا انکارکرنا اورگناہ کرنا اُن کی ذریت میں منتقل ہوگئے۔آپ کا یہ فرمانا کہ" عدم نسیان صرف خدا کا حصہ ہے" اورنسیان مستلزم گناہ نہیں ۔ بالکل غلط ہے کیونکہ قرآن شریف میں صاف لکھاہوا ہے کہ خدا بھولتا بھی ہے اورنسیان پر سزا بھی دیتا ہے جو مستلزم گناہ ہے۔آیت ذیل کے غور سے ملاحظہ کریں:

فَذُوقُوا بِمَا نَسِيتُمْ لِقَاء يَوْمِكُمْ هَذَا إِنَّا نَسِينَاكُمْ وَذُوقُوا عَذَابَ الْخُلْدِ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ(سورہ سجدہ آیت ۱۴)۔

ترجمہ:" سو اب چکھو مزا جیسے بھلادیا تھا اس اپنے دن کا ملنا ہم نے بھلادیا تم کو اورچکھو عذاب ہمیشہ کا بدلا اپنے کئے کا"۔

جو کچھ مولوی ثناء اللہ صاحب نے میرے رسلہ کے متعلق لکھا تھا اس کا جواب الجواب یہاں پر ختم ہوتاہے۔ ناظرین سے التماس ہے کہ ان کو بغور پڑھیں ۔ اب ہم مولوی صاحب کے ان اعتراضات کا جواب لکھتے ہیں جو الزامی طورپر ہم کئے ہیں۔

فصل ہشتم

مولوی ثناء اللہ صاحب کے الزامی جوابات پر نظر

مولوی ثناء اللہ صاحب جب میرے رسالہ کے جواب لکھنے سے نہایت بے بسی اوربے کسی کے ساتھ قاصر رہ گئے ۔ یعنی اسلام میں نجات ثابت نہ کرسکے تو الزامی جوابات کی آڑمیں پناہ ڈھونڈنے لگے۔ اورالزامی جوابات بھی ایسے پُرانے اوربوسیدہ کہ دقیانوس کے زمانے میں سے بھی برسوں آگے کے ہیں۔ بہ مصداق ڈوبتے کو تنکے کا سہارا۔ مولوی صاحب نےاپنی بہتری اسی میں دیکھی ۔ چنانچہ آپ رقم فرماتے ہیں کہ:

" مسیح علیہ السلام نے بھی اعمال شرعیہ پر عمل کرنے کی بہت تاکید کی ہے چنانچہ آپ کے الفاظ یہ ہیں تو زندگی میں داخل ہوا چاہتا ہے ۔تو حکموں پر عمل کر۔(انجیل متی ۱۹باب ۱۸)۔

بس مختصر جواب تو یہی ہے کہ جس وجہ سے آپ نے اسلام کو چھوڑا یعنی احکام شرعیہ پرآپ خوف زدہ ہوئے وہی خوف انجیل میں بھی موجود ہے"(اہلحدیث ۵اکتوبر۱۹۲۸ءصفحہ ۳)۔

پھر آپ اہلحدیث مورخہ ۱۲اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳ میں لکھتے ہیں کہ:

" ہمارا خیال ہے کہ جس طرح پادری صاحب کی نظر سے یہ آیت قرآنی اوجھل رہی ہے۔ انجیل کا ایک مقام بھی انہوں نے نہیں دیکھا۔ دیکھا تو غور نہیں فرمایا۔ ورنہ پادری صاحب اگر اعمال صالحہ سے گھبراکر اسلام سے برگشتہ ہوئے تھے تو ادھر سے ہٹ کر عیسائی مذہب میں نہ جاتے ممکن تھا آزاد ہوجاتے لیکن مسیحی نہ ہوتے۔ پس پادری صاحب غور سے سنیں مسیح فرماتے ہیں۔

" جو کوئی ان (تورات) کے حکموں میں سب سے چھوٹے کو ٹال دے اورویسا ہی آدمیوں کو سکھادے آسمان کی بادشاہت میں سب سے بڑا کہلائیگا۔ کیونکہ میں کہتا ہوں کہ اگر تمہاری راستبازی فقیہوں اور فریسیوں (علماء یہود) سے زیادہ نہ ہو تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہوگے"(انجیل متی باب ۵ فقرات ۱۹: ۲۰)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اناجیل میں اعمال صالحہ پر بے حد" تاکید" ہے۔ یہاں تک کہ قرآن شریف کی "تاکید" اس کے آگے کوئی حقیقت نہیں رکھتی ہے لیکن قرآن شریف کی "تاکید" میں اوراناجیل کی "تاکید" میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ قرآن شریف کی تاکید کے معنی خدا کے ساتھ تجارت کرنا ہے ۔ چنانچہ خود مولوی صاحب نے ذیل کا شعر لکھ کر اس کی تصدیق کی ہے کہ:

جی عبادت سے چرانا اورجنت کی ہوس

کام چوراس کام پرکس منہ سے اُجرت کی ہوس

(اہلحدیث ۱۴اکتوبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳)

اناجیل کی "تاکید" کے یہ معنی ہیں کہ ہرایک حالت میں خدا کی " عبادت" کرنی لازمی ہے۔ قطع نظر اس سے کہ اُس کو عبادت کی " اجرت" میں " جنتے " ملے یا عبادت نہ کرنے کی سزا میں دوزخ ملے۔ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ سعادتمند فرزندوں کا فرض ہے کہ اپنے باپ کے فرمانبردار اورمطیع رہیں خواہ اُن کا باپ ان کو انعام دے یا نہ دے۔ غرضیکہ مسیحیوں کے اعمال صالحہ میں خوف اورجاء کو مطلق دخل نہیں ہے ۔ یہی سبب ہے کہ اناجیل میں ایک آیت بھی نہیں ہے جو اس پر دلالت کرے کہ نجات اعمال صالحہ پر موقوف ہے۔ برعکس اس کے اناجیل میں سینکڑوں ایسی آئیتیں موجودہیں جو نجات کو صرف ہمارے منجی کی ذات پر منحصر بتلاتی ہیں۔

چنانچہ ایسی چند آئتیں ہم نے اپنے رسالہ" میں کیوں مسیحی ہوگیا" میں نقل کی ہیں۔ (دیکھو رسالہ بالا کے صفحہ ۳۹۔ ۴۲ آیت تک)۔

مولوی صاحب چونکہ اناجیل کی اصطلاحات سے واقف نہیں ہیں۔ اس لئے اناجیل میں جہاں کہیں ان کو لفظ " آسمان کی بادشاہت " مل گیا انہوں نے وہاں یہ سمجھا کہ اس سے مراد" نجات" ہے۔ چنانچہ آپ اہل حدیث مورخہ ۱۲اکتوبر ۱۹۲۸ء کے حاشیہ میں لکھتے ہیں کہ " انجیل کے محاورہ میں نجات کو آسان کی بادشاہت کہا گیا ہے" حالانکہ انجیل کے محاورہ" میں آسمان کی بادشاہت" نجات یافتہ یعنی مسیحیوں کا مقام ہے۔ نہ کہ " نجات" اور مقام سے مراد انجیل جلیل کا دائرہ اثر ہے جس کو ہم کلیسیا کہتے ہیں۔ چنانچہ جن آیات کو آپ نے نقل کیا ہے خود ان میں اس کی تشریح موجود ہے کہ"آسمان کی بادشاہت سے نجات" مراد ہوتی ہے تو آسمان کی بادشاہت میں چھوٹا کہلانے کے کچھ بھی معنی نہیں ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی گنہگار اس میں سرے سے داخل ہی نہیں ہوسکتا تو وہ اس میں کس طرح چھوٹا کہلایا جاسکتا ہے۔

نیز ایک اور آیت میں خداوند نے اورواضح طورپر بیان فرمایا ہے کہ دیکھو خدا کی بادشاہت تمہارے درمیان ہے"(لوقا ۱۷: ۲۱)۔

پس جہاں کہیں اناجیل میں اس قسم کے الفاظ آئے ہیں وہاں اُن کا مطلب یہ ہے کہ وہ شخص جو ایسا ایسا کام کرتا ہے ایک ناقص مسیحی سمجھا جائیگا اوراس آیت کا اوراس قسم کی دوسری آیتوں کا مطلب کہ " اگر تمہاری ، راستبازی فقیہوں اورفریسیوں سے زیادہ نہ ہو تو تم آسمان کی بادشاہت میں کسی طرح داخل نہ ہوگے۔ یہ ہے کہ اگر تم اپنی تمام بدکرداریوں اور گناہوں کو ترک نہ کروگے تو تم مسیحی جماعت میں کبھی داخل نہ ہوسکوگے کیونکہ مسیحی ہونے کے معنی یہی ہیں کہ گناہوں سے متنفر ہونا اورراستبازی کی زندگی بسر کرنا۔

پس اناجیل میں اعمال صالحہ پر اس لئے " تاکید" ہے کہ اعمال صالحہ ایمان یعنی مسیحی ہونے کی خاص علامت اور راستبازی کا نشان ہے یعنی ایک شخص کا مسیحی ہونا اس کے اعمال سے معلوم ہوجاتا ہے ۔ اگر اس کے اعمال انجیل کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہیں تو وہ ایک ایماندار اورکامل مسیحی ہے اوراگر اس کے اعمال میں کچھ کسر باقی ہے تو وہ ایک ناقص یعنی چھوٹا ۔ مسیحی کہلائیگا اوراگر وہ بالکل بدکردار شخص ہے یعنی انجیل جلیل کے احکام کے برخلاف چلتا ہے تو مطلق حقیقی مسیحی نہیں ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ میں نے اپنے رسالہ میں قرآن شریف کی وہ آیت نقل کی تھی جس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ " ہر ایک شخص کو دوزخ میں داخل کرنا خدا پر فرض ہوچکا ہے ۔ مولوی صاحب نے اس آیت کے بالمقابل انجیل جلیل کی اس آیت کو پیش کیا ہے کہ " ہر ایک شخص آگ سے نمکین کیا جائے گا" (مرقس ۹: ۴۹)۔ بیچارے مولوی صاحب کو اس آیت میں لفظ " آگ " کیا مل گیا گویا ڈوبتے کو تنکے کا سہارا مل گیا ۔ آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سے مراد دوزخ کی " آگ " ہے۔ یہ صرف جناب ہی کے ذہن رسا کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خود آنحضرت صلعم نے بھی اس آگ کو دوزخ کی " آگ" سمجھ کروان منکم الاوراد ھا کہ صورت میں قرآ ن شریف میں شامل فرمایا۔ چنانچہ میں نے ان دونوں آیتوں کو" ہمارا قرآن" میں بالمقابل نقل کیا ہے ۔ میرے نقل کرنے کا مقصد صرف اس قدر تھا کہ وہ لوگ جو بائبل مقدس سے واقف ہیں اس امر کا اندازہ کرسکیں کہ آنحضرت کو بائبل مقدس کی آئتوں کے نقل کرنے میں اس قدر شغف اورانہماک تھاکہ جو آیت بھی آپ کو مل جاتی تھی اُس کے مفہوم سے قطع نظر کرکے قرآن شریف میں شامل فرماتے تھے۔

مرقس کی آیت مافوق میں آگ سے مراد روح القدس ہے جو پاکیزگی کا سر چشمہ ہے جس کی تائید لفظ نمکین کرتا ہے جو پاکیزگی کی علامت ہے۔ انجیل جلیل میں بیسیوں جگہ روح القدس کو آگ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جن میں سے ہم بطورنمونہ کے صرف ایک آیت پر اکتفا کرتے ہیں۔ غور سے سنئے ۔ اور" انہیں آگ کے شعلے کی سی پھٹتی ہوئی زبانیں دکھائیں دیں اوراُن میں ہر ایک پر آٹھہریں اوروہ سب روح القدس سے بھرگئے" (اعمال ۲: ۳، ۴)۔ لفظ نمکین کے متعلق ہم لکھ آئے ہیں کہ انجیل مقدس کی اصطلاح میں اس کے معنی پاکیزگی کی علامت کے ہیں۔ چنانچہ خود ہمارے منجی نے اپنے شاگردوں کو نمک سے تشبیہ دی ہے کہ" تم دنیا کے نمک ہو" (متی ۵: ۱۳)۔ پس آیت مافوق کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص پاکیزگی حاصل نہیں کرسکتا ہے ۔ تاوقتیکہ روح القدس سے بہرہ یاب او رمعمور نہ ہوجائے اوراس کے بعد ہمارے منجئی نے اپنے شاگردوں کو یہ خوشخبری سنائی کہ ہر ایک سچے مسیحی پر روح القدس اُتریگا اوراُس کی زندگی نمکین یعنی پاکیزہ زندگی بن جائے گی۔

اگر سیدنا مسیح کا مقصد اس " آگ سے دوزخ" کی " آگ" ہوتا تو اس کے ساتھ لفظ نمکین استعمال نہ فرماتے۔ لفظ نمکین کا فرمانا

ہی اس کی کافی دلیل ہے کہ اس "آگ" سے مراد روح القدس ہے نہ کہ دوزخ کی "آگ"۔ اب آیا سمجھ میں!

فصل نہم

مولوی ثناء اللہ صاحب کی نیکی اوربدی

ہم گذشتہ اوراق میں اعمال صالحہ کی تشریح اوراہمیت بیان کرکے یہ واضح کرچکے ہیں کہ مسیحیت میں اعمال صالحہ کیا حیثیت رکھتے ہیں۔ اگرناظرین کو مولوی صاحب کا وہ قول یاد ہے کہ!

" بے شک اعمال شرعیہ اتنی حیثیت نہیں رکھتے کہ دنیاوی نعماکا شکر ادا ہونے کے بعد نجات" اخروی کے لئے بھی علت ہوسکیں۔ ہاں محض اُس کا فضل ہی فضل ہے کہ چند لمحوں کی اطاعت کو دائمی راحت (نجات) کا موجب بنادیا۔ یہ تشریح ہے حدیث مذکور کی ۔۔۔۔۔کیا وجہ کہ پہلے تو اعمال کے موجب نجات ہونے سے انکارکیا۔پیچھے اعمال کی تاکید فرمائی۔ اس کی وجہ وہی ہے جو ہم بتاآئے ہیں کہ اعمال اپنی ذاتی حیثیت سے ہرگز موجب نجات نہیں۔ مگر بیکاربھی نہیں"۔

(اہلحدیث مورخہ ۹نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳)

توظاہر ہے کہ ہم میں اورمولوی صاحب میں اب کوئی اصولی اختلاف باقی نہیں رہا اورمولوی صاحب کو عبارت بالا کے لکھنے کے بعد خیال آیا۔ یا کسی نے خیال دلایا کہ آپ نے تو اسلام کے اصل اصول پر پانی پھیردیا۔ جب مسلمان آپ کے اس بیان کوپڑھینگے تو آپ کو کیا کہینگے" تومجبوراً آپ کو اس تامل رکیک سے کام لینا پڑا کہ ہم اعمال شرعیہ کو بحکم خدا(یجعل جامل) موجب نجات مانتے ہیں۔

مولوی صاحب چونکہ نرے اہلحدیث ہیں اُن کو ان پیچیدگیوں کا جوفلسفہ کے کسی غلط مسئلہ سے پیداہوجاتی ہیں علم نہیں ہے۔ اگران کو اس گمراہ کن مسئلہ کے نتیجہ کا کچھ بھی علم ہوتا توہرگزاس قسم کا سقسطیانہ خیال ظاہرنہ فرماتے۔

مولوی صاحب کے اس قول کا مفادیہ ہے کہ دنیا میں نیلی اور بدی جن کو فلسفہ میں حسن دقح کہتے ہیں بذات خود کوئی چیز نہیں بلکہ جس چیزکو خدا (جاعل) بد(بُرا) ٹھہرائے خواہ وہ چیز بذات خود کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ بدیعنی بُری ہے۔ اورجس چیز کو خدا (جاعل) نیک (اچھا) ٹھہرائے خواہ وہ چیزبذات خود کتنی ہی بُری کیوں نہ ہو وہ نیک یعنی اچھی ہے۔ مثلاً چوری کرنا،

جھوٹ بولنا، فریب دینا، ظلم کرنا بذات خود بُرے نہیں ہیں۔ چونکہ خدا نے ان کو بُرا ٹھہرایا ہے لہذا وہ بُرے ہیں اسی طرح صداقت، دیانت، عدالت بذات خود اچھی نہیں ہیں۔ چونکہ خدا نے ان کو اچھی ٹھہرایا ہے لہذا وہ اچھی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ نکلیگا کہ اگر خدا اس قضیہ کو منعکس کردے یعنی قتل غارت ، ظلم ، کذاب کو اچھا ٹھہرائے تومولوی صاحب شوق کے ساتھ ان پر عمل کریں گے۔

اگر آپ دنیا کے کسی طبقہ میں جائیں حتیٰ کہ آپ دنیا کے دہریوں ، ملحدوں اورلا مذہبوں کے طبقہ میں جاکر اُن سے دریافت کریں تو یہی جواب دینگے کہ ظلم وجھوٹ وغیرہ ذالك ہر حالت میں بُرے ہیں ۔ اورعدل وصداقت ہر حالت میں اچھے ہیں ۔ اگر نیکی وبدی کا معیارالہام ہی ہوتا تو ان لوگوں کو جن کو الہام کا علم تك نہیں ہے۔ کیونکر اس کا علم ہوتاکہ ظلم وغیرے بُرے ہیں اورعدل وغیرہ اچھے ہیں۔

بخدا میرا ارداہ تھا کہ اس تباہ کن اورمخرب اخلاق مسئلہ سے جو نتائج پیدا ہوئے اُن سب کو بلاکم وکاست سپرد قلم کردوں۔ لیکن کیا کروں پھر بھی مجھے اسلام کا خیال ہے۔ میں نہیں چاہتاکہ مولوی ثناء اللہ صاحب کی غلطی سے اسلام کا وہ اہل حدیثانہ پہلوپیش کروں جن کو دیکھ کرلوگ محوحیرت ہوجائیں۔

کاشکہ مولوی صاحب کے ذہن میں یہ بات آجائے کہ خدا کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ اچھے کوبُرا اوربرُے کو اچھا ٹھہرائے۔ بلکہ خدا کا کام یہ ہے کہ جو چیزاچھی ہے اس کو اچھی اورجو برُی ہے اسکو برُی بتلاکر ہمیں اچھی چیزوں کے اختیارکرنے اورنہ برُی چیزوں سے بچنے کاحکم دے اورہر ایك پر بالترتیب جزاوسزا مرتب کرے ۔

جعل جاعل کے متعلق مولوی صاحب نے ایك مثال پیش کی ہے جوآپ کے لئے تو مفید نہیں۔ البتہ ہمارے لئے مفید ہے۔ اس پر ذرابھی غورکیجئے جو یہ ہے ۔

" اس کو مثال بالکل یہ ہے کہ آقا اپنے غلام کو حکم دیتا ہے کہ ایك سال تك تم ایك روپیہ ماہوار مجھے دیا کروتو میں تم آزاد کردونگا۔ آزادی کے مقابلہ میں ایك روپیہ فی نفسہ کچھ چیزنہیں لیکن (بجعل جاعل) مالك کے کہنے سے یہی روپیہ موجب آزادی ہوگیا"۔

میں تھوڑی دیر کےلئے تنزلاً یہ تسلیم کرتا ہوں کہ آزادی کے مقابلہ میں ایك روپیہ فی نفسہ کچھ چیز نہیں لیکن اس رحم مجسم " آقا" سے تو پوچھو کہ کیا اُس کے نزدیك بھی فی الحقیقت ایك روپیہ فی

نفسہ کچھ چیز نہیں ہے۔ اگر اس کے نزدیک بھی " ماہوار ایک روپیہ" یعنی بارہ روپے سالانہ کچھ حقیقت نہیں رکھتے ہیں تو اس بیچارے غلام کو ایک سال تک تکلیف میں ڈال دینے سے کیا فائدہ ہے روپیہ لئیء بغیر" اس کو کیوں آزاد نہیں کرتا ہے! بغیر روپیوں کے آزاد نہ کرنا ہی اس کی کافی دلیل ہے کہ اگرچہ مولوی صاحب کے نزدیک بارہ روپے کچھ چیز نہیں" لیکن اس کے "آقا" کے نزدیک بارہ روپے اُس کے غلام کی آزادی سے زیادہ بیش قیمت ہیں۔

اگر درحقیقت ان تمام معاملات میں جعل جاعل کو داخل ہے توپھر کس منہ سے آپ کفارہ پر اعتراض کرنے بیٹھ گئے۔ کیونکہ ہم بھی تو یہی کہتے ہیں کہ خدا ہی نے مسیح کے کفارہ کو روحانی آزادی کا سبب ٹھہرایا ہے۔ آپ کی مثال میں لفظ " روپیہ" کی جگہ پر اگر آپ لفظ " مسیح کا کفارہ" رکھتے تو آپ کی مثال " بالکل" کفارہ کی تائید میں ہوتی ۔ دیکھئے خدائے برتر وتوانا نے کس طرح آپ ہی کے قلم سے کفارہ کی تصدیق کرائی ۔

میں نے اپنے رسالہ " میں کیوں مسیحی ہوگیا" میں ان احادیث کے متعلق جن میں آنحضرت صلعم نے یہ فرمایا تھا کہ " میں بھی اپنے اعمال صالحہ سے نجات نہیں پاسکتا مگر خدا کے رحم سے" یہ لکھا تھا کہ اگر خدا اسی طرح رحم کیا کرے اورسب کو محض اپنے رحم سے بخش دیا کرے توپھر انبیاء کا معبوث ہوجانا ۔کتب سماویہ کا نازل ہونا یہ سب عبث ٹھہرینگے۔ مولوی صاحب نے اس فقرہ پر جس مسرت کا اظہار کیا ہے وہ آپ کی ذیل کی عبارت سے عیاں ہے۔

" ناظرین فقرہ زیر خط کو ملحوظ رکھیں آگے چل کر ہم اس سے کچھ کام لینگے" ۔

(اہل حدیث مطبوعہ ۱۹۲۹ءصفحہ ۳ کالم ۲)۔

آپ نے میری عبارت بالا سے اپنی سمجھ کے موافق یہ نتیجہ نکالا ہے کہ گویا میں بھی اس سفسطہ کا قائل ہوں جن کے مولوی صاحب قائل ہیں۔ یعنی یہ کہ شریعت اورانبیاء اس لئے آئے تاکہ ایک چیز کو نیک ٹھہرائیں۔ خواہ وہ چیز فی نفسہ کیسی بد کیوں نہ ہو۔ بات یہ ہے کہ آپ بڑے سخن شناس ہیں۔ اس لئے آپ نے عبارت بالا سے یہ مضحکہ خیز نتیجہ نکالا جوایک نہایت کم استعدادا دوخوال بھی نہیں نکالیگا حالانکہ اگر آپ میری عبارت کو پورے طورپر نقل کرتے تو آپ کی اس عجز نما خوشی کی حقیقت سب پر ظاہر ہوجاتی ۔ چونکہ آپ نے اس سے گریز کیا لہذا مجبوراً میں پوری عبارت ہدیہ ناظرین کرتا ہوں ۔ سن لیجئے۔

" اگر خدا رحیم ہے تو وہ عادل بھی ہے۔ اگر خدا صرف اپنے رحم سے معاف کردے توصفت عدل معطل رہیگی اورتعطل سے خدا کی ذات میں نقص وارد ہوگا ۔ جو خدا کی شان کے شایاں نہیں۔ پس رحم سے نجات کامل پانا محال عقل ہے اورخدا ایسا کرتا ہے تو خدا صرف مسلمانوں کا خدا تو ہے نہیں وہ کل انسان اورمافی الکون کا خدا ہے۔ لہذا اس کی رحمت کل کے لئے ہونا چاہیے ۔ یعنی وہ مشرکوں اوربُت پرستوں وغیرہ پر بھی رحم کرنا لازم ہے۔ لیکن خدا مشرکوں اوربُت پرستوں کو معاف نہیں کرتا۔ اورانبیاء کا معبوث ہوجانا کتب سماوی کا نازل ہونایہ سب عبث ٹھہرینگے ۔ چونکہ یہ عبث نہیں پس رحم سے نجات کی توقع رکھنا غلط ہے"۔

(میں کیوں مسیحی ہوگیاصفحہ ۳۸)

اب خود ناظرین انصاف فرمائیں کہ میں کیا کہتا ہوں اور مولوی صاحب کیا سنتے ہیں۔ جواب سے عاجزآکر ٹالمٹول کرنا مولوی صاحب کی عادت ہے۔

فصل دہم

مولوی ثناء اللہ صاحب کے کفارہ پراعتراضات اورقرآن وحدیث سے کفارہ کا ثبوت

مولوی صاحب نے نورافشاں (۹نومبر ۱۹۲۸ء) میں سے سابق ایڈیٹر یعنی ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب کے ایک مضمون میں سے جو کفارہ پر تھا ایک اقتباس کیا ہے۔ آپ اسی اقتباس کی بناء پر لکھتے ہیں کہ:

" مگران میں ایک نقص یاسہل انگاری یہ ہے کہ ان مصنفوں نے اس امر کا فیصلہ نہیں کیا کہ شرعی گناہ فوجداری کیس ہے یا دیوانی؟ مثلاً بدکاری کی سزا شرع میں جہنم کی قید ہے یا مالی جرمانہ ہے۔ کچھ شک نہیں کہ حضرات انبیاء علیم السلام کی شریعت میں گناہوں کا مقدمہ فوجداری کیس ہے تو فوجداری میں اصل الاصول قانون ہے کہ

جو کرے وہ ہی بھرے!

(اہل حدیث ۷ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳)

مولوی صاحب فرماتےہیں کہ شرعی گناہ فوجداری کیس ہے۔ اورفوجداری کی تعریف " جہنم کی قید" ہے اورفوجدارمیں اصل الاصول قانون" یہ ہے کہ جو کرے وہی بھرے" یعنی جو شخص گناہ کرتا ہے وہی شخص سیدھا جہنم میں جاتا ہے اور اس سے کوئی معاوضہ یا مالی جرمانہ نہیں لیا جاتا ہے۔ اگر میں ثابت کردوں کہ جو کچھ مولوی صاحب لکھ رہے ہیں قرآن وحدیث کے منافی لکھ رہے ہیں تو پھر مزید لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔

قبل اس کے کہ میں قرآن شریف اوراحادیث میں سے شواہد پیش کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بھی گوش گزار کردوں کہ نفس کفارہ اورمسیحیت اوراسلام دونوں متفق ہیں۔ صرف اس کی نوعیت میں اختلاف ہے مسیحیت مسیح کو کفارہ مانتی ہے اوراسلام اورچیزوں کو۔ قرآن شریف کی ذیل آئتیں ملاحظہ ہوں :

لاَ يُؤَاخِذُكُمُ اللّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَـكِن يُؤَاخِذُكُم بِمَا عَقَّدتُّمُ الأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهُ إِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسَاكِينَ مِنْ أَوْسَطِ مَا تُطْعِمُونَ أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلاَثَةِ أَيَّامٍ ذَلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُواْ أَيْمَانَكُمْ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ(سورہ مائدہ آیت ۹۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ تم سے مواخذہ نہیں فرماتا۔ تمہاری قسموں میں لغو قسم پر لیکن مواخذہ اس پر فرماتا ہے کہ تم قسموں کو مستحکم کردو۔ سواس کا کفارہ دس محتاجوں کو کھانا کھلادینا ہے اوسط درجے کا جواپنے گھر والوں کو دیا کرتے ہو یا ان کو کپڑا دینا یا ایک غلام یا لونڈی آزاد کرنا۔ اورجس کو مقدورنہ ہو تو تین دن کے روزے ہیں یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جبکہ تم کھالو اوراپنی قسموں کا خیال رکھاکرو۔ اسی طرح اللہ تمہارے واسطے اپنے احکام بیان فرماتا ہے تاکہ تم فکر کرو"۔

آیت بالا سے صاف ظاہر ہے کہ قسم کھاکر پورا نہ کرنا قابل مواخذہ گناہ ہے ۔ جو بقول مولوی صاحب ایسے شخص کو سیدھا جہنم میں جاناچاہیے لیکن قرآن شریف اس کو " مالی جرمانہ " پر چھوڑدیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ لاَ تَقْتُلُواْ الصَّيْدَ وَأَنتُمْ حُرُمٌ وَمَن قَتَلَهُ مِنكُم مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاء مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسَاكِينَ أَ و عَدْلُ ذَلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ عَفَا اللّهُ عَمَّا سَلَف وَمَنْ عَادَ فَيَنتَقِمُ اللّهُ مِنْهُ وَاللّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ (سورمائدہ آیت ۹۶)

ترجمہ: اے ایمان والو جنگلی شکار کو قتل مت کرو۔ جبکہ تم حالت احرام میں ہو۔ اورجو شخص تم میں سے اس کو جان بوجھ کر قتل کرے گا تو اس پر پاداش واجب ہوگی جو مسبادی ہوگی اس جانور کے جس کو اس نے قتل کیا ہے جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کردیں خواہ وہ پاداش خاص چوپایوں سے ہو۔ بشرطیکہ نیاز کے طورپر کعبہ تک پہنچائی جائے۔ اورخواہ کفارہ مساکین کو دیدیا جائے اورخواہ اس کے برابر روزے رکھ لئے جائیں تاکہ اپنے کئے کی شامت کا مزہ چکھے اوراللہ تعالیٰ نے گذشتہ کو معاف کردیا۔ اوریہ شخص پھر ایسی حرکت کریگا تو اللہ تعالیٰ انتقام لے گا اوراللہ زبردست سے انتقام لے سکتا ہے"۔

اس آیت سے آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ بحالت احرام شکار کا قتل کرنا سخت گناہ ہے ۔ جس کے مرتکب کو بقول مولوی صاحب سیدھا جہنم میں جانا چاہیے تھا۔ لیکن قرآن شریف اس کو" مالی جرما" پر چھوڑ دیتا ہے۔میں محض عدم گنجائش کی وجہ سے انہی دوآیتوں پر اکتفاکرتا ہوں۔ ورنہ قرآن شریف میں ایسی بیسیوں آئیتیں ہیں جن سے مولوی صاحب کی قرآن دانی کی حقیقت واضح ترہوجاتی ہے۔

یہاں تک قرآن شریف میں سے کفارہ کا ثبوت تھا۔ اب احادیث کی تعلیم ملاحظہ ہو(۱) وعن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اذاکان یوم القیمتہ دفع اللہ الی کل مسلم یہود اور نصرانیا فیقول ھذا فکاک من الناررواہ مسلم (مشکواۃ صفحہ ۴۸۵)۔

ترجمہ: ابی موسیٰ نے کہا کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ ہر ایک مسلمان کو ایک یہودی یا عیسائی دے کر کہیگا کہ یہ تجھ کو آگ سے رہائی دینے کا بدلہ ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کی ہے"۔

مولوی صاحب دیکھئے تویہ کہاں کا انصاف اور" فوجداری کیس" ہے کہ گناہ تو کریں مسلمان اوریہودی یاعیسائی بیچارے ان کے بدلے دوزخ میں جائیں۔

(۲) عن سلمان بن عامر الضبی قال سمعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم یقول مع الغلام عقیقتہ فاھر یقوا عنہ دماوا میطوواعنہ الاذی رواہ البخاری (مشکوات ۳۶۲)۔

ترجمہ" سلمان بن عامر الضبی نے کہاکہ میں نے آنحضرت صلعم کو یہ فرماتے ہوئے سناکہ لڑکے کی پیدائش کے ساتھ عقیقہ

کرنا لازمی ہے۔ پس اُن کے عوض میں خون بہاؤ (گوسفند ذبح کرو) اوراس سے ایذا کو دورکرو۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کی ہے۔

کیا مولوی صاحب " فوجداری کیس" کے یہی معنی ہیں کہ ایذا تو ہو لڑکے کو اورذبح کیا جائے گوسفند؟ کیا میں مولوی صاحب سے پوچھ سکتا ہوں کہ حدیث بالا میں ایذا سے کیا مراد ہے؟ کیا اس گناہ کی اذیت تونہیں جو حضرت آدم سے دراثنا چلی آئی ہے۔ ذرا احتیاط کے ساتھ قلم اٹھائیے۔ ایسا نہ ہو کہ پھر آپ کو ناپیدارکنار مصائب کا سامنا کرنا پڑے۔

افسوس تو یہ ہے کہ مولوی صاحب نے اورمسلمانوں کی طرح کفارہ پر ٹھنڈے دل سے کبھی غورنہیں کیا۔ ورنہ کفارہ کا ثبوت ہماری روزہ مرہ زندگیوں میں اس صفائی کے ساتھ ملتا ہے جس سے کوئی شخص بشرطیکہ تعصب سے اس کا دل آلودہ نہ ہو انکارنہیں کرسکتا ہے۔ ایک لائق باپ اپنی تمام زندگی اپنے اہل وعیال کی بہبودی کے لئے صرف کرتا ہے ۔ ایک گھر میں جب کوئی شخص بیمار ہوجاتا ہے تو اس کی بیماری کو اس کے تمام متعلقین اس طرح بانٹ لیتے ہیں کہ کوئی ڈاکٹر بلالاتا ہے کوئی دائی بلاتا ہے۔ کوئی اس کے ساتھ جاگتا رہتا ہے ۔ کوئی تسلی دینا، غرضیکہ ایک شخص کی تکلیف اوربیماری سے تمام گھر تکلیف دہ اوربیمار بن جاتا ہے ۔ اگر اس کے متعلقین مولوی صاحب کے اس سنہرے اصول پر عمل کریں کہ " جو کرے وہ بھرے" تو اس بیمار کا خدا ہی حافظ ہے ۔ دنیا سے ہمدردی ، ایثار، اورمحبت اسی طرح مفقود ہوجائیں جس طرح مولوی صاحب کے دماغ سے قرآن شریف واحادیث کے صحیح مفہوم مفقود ہوجائیں۔

اسلام کا طریقہ نجات

آگے چل کر مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ :

" یہاں ہم صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ(۱۔) اگریہی طریق نجات ہے تو پہلے نبیوں کی امتوں کی نجات کس طرح ہوگی ؟ (۲) اگریہی طریق نجات خدا کے ہاں مقرر تھا تو شروع دنیا میں سب سے پہلے نبی پر اس کو کیوں ظاہر نہ کیا؟ (۳) اگرذریعہ نجات مسیح کی موت ہے توپھر مسیحی ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ خدا نے سب گناہوں کی بخشش کا انتظام فرمایا کسی خاص گروہ کا نہیں (۴) محض مسیحی کفارہ کافی ہے تویوحنا رسول کیوں کہتے ہیں ۔

جو کہتا ہے کہ میں اُسے مانتا ہوں اوراس کے حکموں پر عمل نہیں سو جھوٹا ہے اورسچائی اس میں۔ ہر وہ جو اس کے کلام پر

عمل کرے یقیناً اس میں خدا کی محبت ہے"(۱یوحنا باب ۲ آیت ۳ اہلحدیث مطبوعہ ۱۴ دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲)۔

اعتراض اول کا جواب

جب تک مسیح کفارہ نہیں ہوئے تھے اس وقت "پہلے نبیوں کی امتوں کی نجات" اُن ظلی قربانیوں کی بنا پر ہوگی جن کو اُن کے انبیاء نے خدا کے حکم سے اُن میں جاری فرمایا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب قدیمہ میں قربانی مختلف صورتوں میں موجود ہے۔

اعتراض دوم کا جواب

اصول ارتقا کے بموجب خدا نے اول سے لے کر آخر تک ہر ایک نبی پر اس کو ظاہر فرمایا ہے۔ یہاں تک کہ آخری انبیاء کے کُتُب میں مسیح کے کل واقعات ہوبہو موجود ہیں۔

اعتراض سوم کا جواب

بے شک خدا نے سب گناہوں کی بخشش کا انتظام فرمایا ہے۔ لیکن اس انتظام سے وہی شخص فائدہ اٹھاسکتا ہے جو اس کو قبول کرتا ہے۔ مثلاً خدا نے ساری دنیا کے لئے ہوا اور روشنی کا انتظام فرمایا ہے۔ لیکن ان سے وہی شخص بہرہ انداز ہوسکتا ہے جو ہوا میں سانس لے اور روشنی میں آنکھوں سے کام لے۔ اگر کوئی شخص ہوا میں سانس نہ لے۔ اور روشنی میں اپنی آنکھوں پر پٹی باندھ لے تو ہوا اور روشنی سے اس کو کچھ فائدہ نہیں پہنچ سکتا ہے۔

اعتراض چہارم کا جواب مفصل دے چکے ہیں۔ یہاں اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔

مولوی صاحب ہم پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

" مختصر یہ ہے کہ پادری صاحب کے حق میں ہم نے یہ سمجھاکہ "آپ مفت خوری کے لئے مسیحی ہوئے ہیں"۔ کیونکہ اسلام بلکہ کل ادیان میں نیک اعمال کرنے کی تاکید ہے۔ اورمروجہ عیسائی میں اُن کی ضرورت نہیں"۔(اہلحدیث مطبوعہ ۱۴دسمبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳)۔

میں اعمال کی ضرورت اوراس کی اہمیت پر گذشتہ اوراق میں مفصل طورپر لکھ چکا ہوں۔ صرف یہ گذارش کرنا باقی ہے کہ " مسیحیت میں مفت خوری" حرام ہے۔ البتہ اسلام نے اسکو شیر مادر کی طرح حلا فرمایا ہے کہ:

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ(سورہ الزمر آیت ۵۴)

ترجمہ: اے میرے بندوجنوں نے زیادتی کی ہے اپنی جان پر خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو۔ تحقیق اللہ بخشتا ہے تمام گناہوں کو بیشک ۔ ذرا معاف کرنے والا اورمہربان ہے" یعنی جتنے جی چاہے گلچھرے اڑاتے رہو۔ کچھ فکرنہیں ۔ خدا سب کو بخش دیگا۔

حدیث ذیل بھی ملاحظہ ہو:

" وعن ابی ذ رقال اتیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم وعلیہ ثوب ابیض وھو نائمہ ثمہ اتیتہ وقد استقیظ فقال مامن عبد قال لاالااللہ ثمہ مات عاذالک الادخل الجنتہ قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وانی زنی وان سرق علےٰ رغمہ انف ابی ذرٍ وکان ابوذراذا حدث بھذا قال وان رغمہ انف ابی ذرمتفق علیہ۔

ترجمہ: " ابی ذرنے کہا میں حضرت صلعم کے پاس آیا آپ سورہے تھے اورآپ پر سفید کپڑا تھا۔ جب میں پھر آیا توآپ جاگتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ ہرایک بندہ جو لا الا اللہ کہے اوراس پر مرجائے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ میں نے کہاکہ اگرچہ وہ چوریا زناکارہو۔ آپ نے کہا اگرچہ چوریا زانی ہو۔ پھر میں نے کہا کہ اگرچہ وہ چوریا زانی ہو۔ آپ نے فرمایا اگرچہ چوریا زانی ہو۔ پھر میں نے کہا اگرچہ وہ چوریا زانی ہو۔ آپ نے کہا اگرچہ وہ چوریا زانی ہو۔ اگرچہ یہ بات ابوذرکو ناگوارمعلوم ہوتی ہے "(مشکوات کتاب الایمان)

کہئے اس سے بڑھ کر مفت خوری آپ کو کہیں اورمل سکتی ہے۔

میرے رسالہ " میں کیوں مسیحی ہوگیا" میں ایسی چند حدیثیں اورہیں جن کے جواب سے مولوی صاحب ایسے خاموش ہیں کہ گویا ان کی جان میں جان نہیں۔ ملاحظہ ہوصفحہ ۳۵،۳۶)۔

اسلام میں طریقہ نجات

اس کے بعد مولوی صاحب اسلام کا طریقہ نجات پیش کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ " (۱) اسلام میں ایک طریق نجات تو اکثریت اعمال صالحہ کا ہے"۔(۲) دوسرا اکثریت اجتناب ازمعاصی ہے یعنی جو شخص اکثرحالات میں بڑے بڑے گناہوں سے بچتا رہے گا وہ نجات پاجائیگا" (۳) بالکل آسان اورپادری صاحب کے حسب منشا ہے کہ طالب نجات انسان روزانہ اپنے گناہوں پر غورکرکے خدا کے حضور خالص توبہ کیا کرے تو خدا اُس کی توبہ کو قبول کرکے بخش دیگا" (اہلحدیث ۱۲اکتوبر۱۹۲۸ءصفحہ ۳)۔

طریقہ اول کے متعلق ہم کافی سے زیادہ بحث کرکے ثابت کرچکے ہیں کہ ۔ " اکثریت اعمال صالحہ سے کوئی مسلمان نجات نہیں پاسکتا ہے۔ اورمولوی صاحب نے بھی اس کو تسلیم کرلیا ہے کہ" اعمال اپنی ذاتی حیثیت سے ہرگز موجب نجات نہیں"(اہلحدیث ۹ نومبر ۱۹۲۸ء صفحہ ۳)۔

طریق دوم بھی باطل ہے۔ اول تو اس لئے کہ مولوی صاحب کا عندیہ اس آیت " کے منافی ہے کہ ومن یعمل مثقال ذرتہ خیراً یرہ ومن یعمل مثقال ذرتہ شراً یرہ۔ جس پر ہم مفصل بحث کرچکے ہیں۔ دوم اس لئے کہ قرآن شریف میں کبائر کا تعین ادھر نہیں ہے اورنہ احادیث سے اس پر روشنی پڑتی ہے اورنہ کسی عالم نے آج تک ان کا حصر اورتعین بتایا۔ بعض کے نزدیک کبائر کی تعداد ۲۷ ہے۔ اوربعض کے نزدیک سو سے بھی زیادہ اوربعض کے نزدیک اس سے بھی کم ہے۔ پس جب تک آپ پہلے اس کا تعین اور حضر ثابت نہ کریں۔ اس وقت تک آپ کبائر کے ترک پر نجات کی بنیاد نہیں رکھ سکتے ہیں۔

طریق سوم کے متعلق یہ عرض ہے کہ میں ثابت کرچکا ہوں کہ خواہ آپ توبہ کریں یا نہ کریں خواہ آپ نیک ہوں یا بد ہوں ایک بار آپ کا دوزخ میں تشریف لے جانا ازبس ضروری ہے ۔ والسلام

بالاآخر میں اپنے دوست پیارے مولوی صاحب کا بے حد شکرگزار ہوں کہ آپ کے طفیل سے میرے رسالہ " میں کیوں مسیحی ہوگیا" کے مجملات اوراشارات مفصل اورواضح تر ہوگئے۔ نہ آپ اس کے جواب کی زحمت گوارا فرماتے اورنہ میں اس کی تفصیل اور توضیح کرتا ۔ یہ بھی خدا کی مرضی تھی جو پوری ہوگئی ۔

میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس مضمون کے آخر میں مولوی صاحب کی سوانح عمری لکھونگا ۔ میں نے آپ کی سوانح عمری بالکل مرتب کرلی ہے۔ لیکن بجائے اس کے کہ ہم اس کو اپنے رسالہ میں شائع کریں بہتریہی ہے کہ ہم اس کو شائع ہی نہ کریں ۔ کیونکہ کسی کی ذات پر حملہ کرنا ہماری عادت نہیں۔ یہ وطیرہ قادیانیوں اوروہابیوں کومبارک رہے۔

تتمه

گھر سے آیا ہے معتبر نائی

جیسا کہ ایک مسلمان کے حوالہ سے میں نے لکھا ہے کہ جبکہ وہابیوں کی بد زبانی سیاہی اور فحاشی سے خود اُن کے بزرگانِ اولیاء اتبیا محفوظ نہیں رہے۔ توایک عیسائی کیا اواس کی حیثیت کیا۔ جو اُن کی زبان شتم آفریں سے محفوظ رہ سکے۔ علی الخصوص وہ شخص جس کے عیسائی ہونے سے اُن کے گھر ماتم کدہ بن گئے ہوں اورجس کے قلم سے مولوی ثناء اللہ صاحب جیسے شخص کی جو اس فرقہ کے شیر بے دم میں ایسی فضیحت اوررسوائی ہوئی ہو جن کومرتے دم تک بھول نہ سکتے ہوں اس فرقہ سے کبھی حسن خلق کی توقیع نہیں ہوسکتی ہے جب اس شیر ریش دراز کو اپنے کئے کا خمیازہ بھگتنا پڑا اورہمارے رسالہ " میں کیوں مسیحی ہوگیا" کے جواب سے سراسر قاصر اورخاسر رہے گیا تو بجائے اس کے کہ اپنی بے بضاعتی اور بے پائیگی پر خون کے آنسو بہانا یا دم دباکر امرتسر کی کسی مسجد کے حجرہ میں دب جاتا الٹا ہمیں موروطن بنایا تاکہ عوام کالا انعام کی توجہ اُس کی شکست اورشرمساری سے ہٹ کو ذاتیات کی طرف مبذول ہوجائے۔

میں سچ عرض کرتا ہوں کہ مجھ کو ایسوں کے متعلق کچھ شکایت نہیں ہے کیونکہ ان لوگوں کا جوکسی حقیقیت کے ثابت کرنے سے عاجز رہے جاتے ہیں یہ عام دستور ہے کہ وہ اپنی جہالت اورفصلالت پر گالی گلوچ اورعامیانہ دسوقیانہ باتوں کا پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن حقیقت شناس معلوم کرلیتے ہیں کہ حضرت کتنے پانی میں ہیں بعینہ مولوی ثناء اللہ صاحب کا یہی حال ہے۔

آپ کا ایک معتبر نائی (خبررساں) بمبئی میں رہتا ہے جس کا تعلق اسی نجدی فرقہ سے ہے اورجس کا پیشہ گاڑیوں کا رنگنا اوراس سے قبل بمبئی کے کسی تھیٹر میں پردوں کے رنگنے کا کام کرتا تھا اورجس کا نام عبرالروف ہے اورپنجاب کے کسی گاؤں کا رہنے والا ہے اس معتبر نائی کومولوی ثناء اللہ نے لکھا تھا کہ ہمارے بمبئی کے رہنے کے واقعات لکھ بھیجے۔ کیونکہ اس شخص کا نام ہمارے رسالہ" میں کیوں مسیحی ہوگیا" میں بھی آیا ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب کو یقیناً یہ خیال ہوا ہوگا کہ ہماری زندگی کے متعلق ان کو بہت سی ایسی باتیں ملینگی جو ہماری بدنامی

اور بے عزتی کے لئے دلیل کا کام دینگی۔ لیکن خدا کے فضل سے چونکہ ہماری زندگی کا دامن اس قسم کے تمام بدنماء داغوں سے آئینہ کی طرح صاف اور شفاف ہے اُن کے معتبر نائی کو یہ جرات نہیں ہوئی کہ اس قسم کے اتہامات اور الزامات ہم پر چسپاں کرتا ہے جس طرح کہ مصنف آئینہ حقیقت نما نے مولوی صاحب پر چسپاں کیا ہے۔ لہذا جو کچھ اس معتبر نائی نے مولوی ثناء اللہ صاحب کو لکھا یہ لکھا کہ:

(۱۔) سلطان محمد کا اصلی نام سلطان احمد ہے۔

(۲۔)سلطان محمد کے قدم بغرض تعلیم منارہ والی مسجد میں آئے اور مسجد کی روٹیوں پر اوقات بسر کرنے لگا"۔

(۳) سلطان محمد بانی انجمن نہ تھا ۔۔۔۔ لیکن ممکن ہے کہ سلطان محمد کسی کونے میں بیٹھ کر تقریریں سنتا ہو"۔

(۴۔) اصل واقعہ یہ ہے کہ ۱۹۰۳ء میں جلسہ بند کرکے میں دورہ پر گیا تھا۔ جب واپس آیا تو معلوم ہوا کہ منارہ والی مسجد کا معمول طالب علم عیسائی ہوگیا۔ تحقیق کرنے سے ثابت ہو کہ سلطان محمد منصور مسیح کا بیٹا بن کر بپتسمہ لے کر ہمیرپو پادری احمد شاہ کانپوری کے پاس چلا گیا۔ منارہ والی مسجد کے طلباء سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسجد کی روٹیوں کے لئے اکثر شکایت کیا کرتا تھا۔ کپڑے وغیرہ کی اس کو سخت تکلیف تھی بعض میمنوں نے بلحاظ ہمدردی روپے قرض دیئے تھے۔ بعض لوگ روپیوں کا تقاضا کرتے تھے جس کے سبب ہمیشہ پریشان رہتا تھا۔ منصور مسیح نہایت تجربہ کار اورچالاک مشنری تھا۔ اس نے اس کی ناداری اور غربت دیکھ کر ہمدردی کی۔ یہ اس کے مکان پر آنے جانے لگا اوراس نے اسکو ترغیب دی۔ یہ ناتجربہ اور شباب کا عالم گرجامیں۔۔۔ کی آمدورفت کا منظر دیکھ کر ازخودرفتہ ہوا اورکسی خاص غرض سے عیسائی ہو کر یہاں سے چل دیا۔ ممکن ہے کہ اس کی دلی آرزو برآئی ہو"۔

(اہل حدیث ۲۱دسمبر۱۹۲۸ءصفحہ ۲)

(۵۔) تین چار سال بعد بڑے دنوں کی تعطیل میں وہ اپنے (مصنوعی) باپ منصور مسیح کو ملنے آیا۔ جس کا قرض تھا ادا کیا۔ بعد واپس کانپور چلاگیا" (اہل حدیث ۲۱دسمبر۱۹۲۸ءصفحہ ۲)۔

(۶۔) اور پادری جوزب بہاری لعل اگرچہ مشن سے علیحدہٰ ہیں تاہم وہ بھی تک عیسائی ہیں۔ سلطان محمد کی طرح کے طالب نہیں ہیں

میرے بیان کی تصدیق کرینگے کہ جوکچھ میں نے لکھا ہے درست ہے (اہل حدیث ۲۱دسمبر۱۹۲۸ء صفحہ ۳)۔

شق اول کا جواب یہ ہے کہ اس معتبر نائی کا یہ لکھنا میرا نام"سلطان احمد" تھا سراسر جھوٹ اورسفید جھوٹ ہے جس کی دلائل حسب ذیل ہیں۔

(الف) میرے عیسائی ہونے سے بہت پہلے میں نے مولوی غلام نبی صاحب باشندہ امرتسر کی ایک تصنیف پر جو عیسائیوں کے رد میں تھی فاریس میں ریویو لکھ کر اُن کو بھیجا تھا اس ریویو میں میرا دستخط (سلطان محمد) ہے۔ نہ کہ سلطان احمد " مولوی ثناء اللہ صاحب ! مولوی غلام نبی صاحب آپ کے شہر اورپڑوس میں رہتے ہیں آپ جاکر وہ ریویو اپنی آنکھ سے دیکھیں تاکہ سیادرکے شودہر کہ درد غش باشند۔

(ب) میرے عیسائی ہونے سے چند ماہ پیشتر میں نے پادری مولوی حسام الدین صاحب ایڈیٹر کشف الحقائق کے ایک مضمون کا جو اسلام کے برخلاف تھا جواب لکھا تھا میں نے اس جواب کو رسالہ الحق میں جو کانپور سے پادری احمد شاہ صاحب شائق کی دارات میں شائع ہوتا تھا شائع کیا تھا اس میں بھی میرا دستخط" سلطان محمد" ہے یہ مضمون ۱۹۳۰ء کی فیل میں آپ کو ملیں گے۔

(ج) اس وقت تک افغانستان سے میرے نام جتنے خطوط آئے ہیں ان سب میں میرا نام سلطان محمد ہے۔ مثلاً منظر زی وزیر خارجیہ دورامانیہ افغانستان ۔ ملا غلام محمد خاں وزیر تجارت افغانستان، وبعدہ وزیر داخلہ افغانستان دورامانیہ جو میرے چچا ہیں۔ وزیر صاحب معارف افغانستان دورامانیہ شہزادہ عنائیت اللہ خاں وغیرہ ہم جتنے اراکین نے مجھ سے خط وکتابت کی ہے۔ ان سبھوں نے مجھ کو سلطان محمد لکھا ہے ۔ کیونکہ میرا پیدائشی نام افغانستان کے سرکاری دفتر میں یہی ہے۔

(د) میرے چھوٹے بھائی تاج محمد خاں اورمیری ہمشیرہ اوردیگر اقارب رشتہ دارومجھ کو ہمیشہ سلطان محمد کہتے ہیں ۔ یہ تمام خطوط میرے پاس فارسی زبان میں موجود ہیں۔

(ہ) میرے والد بزرگوارکی جاگیروں اورقلعوں کی تمام تمکات اورقبالہ جات میں جو میرے نام پر ہیں میرا نام سلطان محمد ہے۔

میں مولوی ثناء اللہ صاحب کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ میرے کسی خط سے خواہ میرے مسیحی ہونے سے قبل کا ہو یا بعد کا میرا

نام سلطان احمد ثابت کریں ۔ اگرانہوں نے میرا نام سلطان احمد ثابت کیا توجو سزا مقررکریں میں قبول کرونگا ورنہ اُن کے لئے جو سزا میں مقررکروں وہ برداشت کریں۔

کیا اب بھی آپ کے معتبر نائی کے جھوٹے ہونے میں کوئی شک وشبہ باقی ہے ۔

شق دوم۔ کا جواب یہ ہے کہ یہ بھی سراسر جھوٹ اورکذب ہے کہ میں نے منارہ والی مسجد میں ۱۹۰۳ء میں تعلیم پائی ہے۔ کیونکہ ان دنوں منارہ والی مسجد میں کوئی عربی کا مدرسہ نہ تھا اورغالباً اب بھی نہیں ہے۔ بلکہ میں نے مدرسہ ذکریا میں تعلیم پائی ہے اورخاص کرمولوی عبدالاحد صاحب سے جو کابلی تھے اورمدرسہ ذکریا میں مدرس تھے۔ جیسا کہ میں نے اپنے رسالہ میں ذکر کیا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ ندوتہ المتکلمین کے تمام اراکین جن میں نے اپنے رسالہ میں ذکرکیا کہ منتہی طالب علم تھے۔ ان میں سے ایک بھی منارہ والی مسجد سے تعلق نہیں رکھتے تھے ۔ کیونکہ اس وقت منارہ والی مسجد میں کوئی مدرسہ تھا ہی نہیں۔ میں اپ کے معتبر نائی کو چیلنج کرتا ہوں کہ وہ ثابت کریں کہ ان ایام میں جن میں نے ذکر کیا ہے منارہ والی مسجد میں کوئی مدرسہ بھی تھا۔ یہ بھی جھوٹ ہے کہ میں ۱۹۰۲ء میں آیا بلکہ میں بمبئی میں ۱۸۹۲ء یا ۱۸۹۳ء میں آیا تھا کیونکہ میں ۱۹۰۳ء تک مسلسل چھ سات سال بمبئی میں رہ چکا ہوں۔ آپ کے معتبر نائی نے یہ بھی جھوٹ لکھا ہے کہ " میں مدرسہ کی روٹیوں پر اوقات بسر کرتا تھا"۔ کیونکہ میں کسی مدرسہ میں بورڈر نہیں رہا بلکہ ٹیوشن اور طبابت سے اپنا گزارہ کرتا تھا۔ اور خدا کے فضل سے اس قدرآمدنی تھی کہ میں نے اپنی آمدنی سے حج کیا اور واپس آیا۔ اگر میں ایسا غریب ہوتا جیساکہ آپ کے معتبر نائی نے ظاہرکیا ہے تو میں نہ حج پر جاسکتا تھا اورنہ ہی واپس آسکتا تھا۔

یہ آپ کے معتبر نائی کا دوسرا جھوٹ ہے کیا ایسا جھوٹاآدمی قابل اعتبار ہوسکتا ہے۔ آپ تو اہلِ حدیث میں سے ہیں راویوں کی جرح کے طریق سے خوب واقف ہیں۔ ذرا دیر کے لئے سرگریباں میں ڈال کر سوچئے۔

شق سوم کا جواب یہ ہے کہ درحقیقت میں ہی ضیاءالاسلام اور ندوتہ المتکلمین کا بانی تھا۔ آپ کے معتبرنائی نے بجز انکا کے اس کی کوئی تردید نہیں کہ جبکہ میں نے ثابت کردیا ہے کہ آپ کا معتبر نائی پرلے درجہ کا جھوٹا ہے تو ایسے جھوٹے شخص کے انکار سے کسی حقیقت کی ترید نہیں ہوسکتی ہے۔

دیگر یہ کہ جس وقت میں مسیحی ہوگیا اسی وقت کانپور
روانہ کیا گیا اورکانپورآتے ہی میں نے سب سے اول اپی فینی میں جو
ایک نہایت مشہور ومعروف انگریزی مذہبی اخبار ہے اپنے مسیحی
ہونے کی کیفیت لکھی۔جس کا جواب بمبئی سے ایک مسلمان نے
لکھا۔ اس مسلمان نے مجھ پر دواعتراض کئے تھے۔ اول یہ کہ " جب
میں مسلمان تھا تو انگریزی نہیں جانتا تھا۔ اب دو تین مہینوں کے
عرصہ میں مجھ کو انگریزی کس طرح آگئی "۔ دوسرا اعتراض یہ
تھاکہ" جب تک میں بمبئی میں رہتا تھا تو میں نے اپنے والد کا نام
کسی کو نہیں بتلایا تھا۔ اب اپی فینی میں، میں نے کیوں ظاہر کردیا"۔
جس کا جواب الجواب میں نے اپی فینی میں دیا۔ اگر بمبئی میں میری
وہی حالت تھی جو معتبرنائی بیان کرتا ہے تو یہ شخص وہی بیان کرتا
حالانکہ ان میں سے ایک کا بھی اس نے ذکر نہیں کیا تھا۔

دیگر یہ کہ میں نہ صرف اپی فینی میں بلکہ الحق میں اور
نورافشاں میں نجات کے متعلق مسلسل مضامین لکھتا رہا۔ کیا اُس
وقت اس معتبرنائی کو سونپ سونگھ گیا تھا جو ایسا چپ سادھا کہ
گویا اس کے بُدن میں جان ہی نہیں ہے اوراب ۲۷سال کے بعد ہم
سے مطالبہ کرتا ہے کہ " اب بھی اُن کو چیلنج دیتا ہوں کہ کوئی تحریر
ایسی پیش کریں کہ آپ بانیِ انجمن کب ہوئے۔ آپ کا معتبر نائی
جانتا ہے کہ ۲۷ سال تک کون اس قسم کی فضول تحریریں اپنے پاس
محفوظ رکھیگا۔ اس لئے چلو اپنی عزت رکھواور چلینج دو۔ اگریہ
چیلنج مجھ کو اسوقت بھی دیا جاتا۔ جبکہ میرا رسالہ' میں کیوں
مسیحی ہوگیا' شائع ہوگیا تو میں اس معتبرنائی کو تحریریں دکھا کر بھی
اس کے گھر تک پہنچاتا۔ اب اس کے چیلنج کا یہ جواب ہے کہ مشتے
کہ بعد ازجنگ بکارآمد برکلمہ خود بایدزد۔

ہماری دیانت پر معتبرنائی کی مہر تصدیق

شق چہارم وپنجم کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ دونوں شقیں بھی
سراسر جھوٹ اور دروغ بانی پر مبنی ہیں۔ کیونکہ نہ تو ہم نے کسی
سے روپے قرض لئے تھے۔ اورنہ ہی قرضہ ادا کرنے کے لئے بڑے دنوں
کی تعطیل میں بمبئی " گئے تھے۔لیکن اس سے ہماری دریانت داری کی
تصدیق ہوتی ہے۔ کہ ہم اس قدردیانت داراورصداقت شعارہیں کہ
کسی کا قرضہ خوردبرُد کرنا نہیں چاہتے ہیں۔ بلکہ ہم اُس وقت بھی
کسی کا قرضہ ادا کیا کرتے ہیں جب عدالتی کارروائی بھی منقطع
ہوجاتی ہے۔کیونکہ عدالت کے رو سے تین سال اورچارسال کے بعد
کوئی قرض خواہ اپنا قرضہ وصول نہیں کرسکتا۔ لیکن ہم نے زاید

المعیاد قرضه کو بھی ادا کردیا۔ کیا مسلمانوں میں بھی کوئی ایسا دیانت دارشخص ہے؟ مولوی صاحب آپ کی کیا رائے ہے؟

شق ششم ۔ کا جواب یه ہے که جھوٹوں کی تصدیق کرنے والا بھی جھوٹا ہوتا ہے۔ چونکه ہم نے ثابت کردیا که جس نائی کو آپ معتبر سمجھ رہے ہیں وہ سراسر نامعتبر اورناقابل التفات اور جھوٹا ہے۔ اس لئے جو شخص ایسے شخص کی تصدیق کرتا ہے ۔لا محاله وہ بھی جھوٹا ہے۔

میں نہیں چاہتا که جوزف بہاری لعل صاحب کی پریشانیوں اورمصائب پر کچھ اضافه کروں۔ صرف اس لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں که آپ کے معتبر نائی کے اس جمله سے که' پادری جوزف بہاری لعل اگرچه مشن سے علیحدہٰ ہیں۔ تاہم وہ اب تک عیسائی ہیں"۔ ان تمام واقعات کی تصدیق مزید ہوتی ہے ۔ جو ان کے متعلق ہمارے ہاتھ پہنچے ہیں۔ خود ان کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک ایسا لمبا چوڑا خط ہمارے پاس ہے که جب ہم چاہیں ان کو پریشان کرسکتے ہیں با ایں ہمه میں تمام مسیحیوں کی خدمت میں عرض کرتا ہوں که جوزف بہاری لال صاحب کے لئے دعا کریں که خدا ان کو روحانی اورجسمانی تکلیفوں سے آزاد کرے۔ اور راہ مستقیم پر اُن کی رہنمائی کرے۔ والسلام۔

خاکسار۔سلطان محمد افغان

فہرست مضامین